٤٣

نئی لائبریری

خلانوردوں کے افسانے

ترجمہ

محمد سلیم الرحمٰن

نیا ادارہ

2.50

ڈاکٹر خالد عمران [illegible]

Kim-Chauhan

خلانوردوں

کے

افسانے

(S.F.)

نیا ادارہ

۱۵ - سرکلر روڈ ، لاہور

خلانوردوں کے افسانے

☆

ترجمہ

محمد سلیم الرحمٰن

جملہ حقوق محفوظ

بار اول : ۱۹۶۷ء

ناشر : ریاض احمد چودھری

نیا ادارہ ــ لاہور

مطبع : سویرا آرٹ پریس ، لاہور

یزید کے نام —

ترتیب

تمہید ــــ محمد سلیم الرحمٰن ، ۹
کوششِ ناتمام ــــ فرینک رابنسن ، ۱۳
نیا جہاز ــــ والٹ شیلڈن ، ۲۷
پہرے دار ــــ آرتھر ۔ سی ۔ کلارک ، ۳۹
دور کے مہمان ــــ بل براؤن ، ۵۶
وہ لوگ کہاں گئے نہ جانے ــــ رے بریڈ بری ، ٦۸
یہ جہانِ مرغ و ماھی ــــ آئزک ازیموف ، ۹٦
طلسمی دوا ــــ روبرٹ مور ولیمز ، ۱۱۷

تمہید

جس طرح جاسوسی ناول اور افسانے جاسوسوں کے لیے نہیں لکھے جاتے اور بھوتوں کی کہانیاں بھوتوں کو پڑھانے کی غرض سے قلم بند نہیں کی جاتیں ، اسی طرح سائنسی افسانے (جن کے لیے سائنسفسانے کی اصطلاح موزوں ہے) سائنس دانوں کے لیے نہیں ہوتے بلکہ عام قاری کے لیے لکھے جاتے ہیں ۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ انہیں تحریر کرنے والے حضرات سائنس داں ہوں یا ان کی بنیاد کسی سائنسی مسئلے پر رکھی گئی ہو ۔ ایسا ممکن ہے مگر لازمی نہیں ۔

سائنسفسانے کے بارے میں یہ خیال درست نہیں کہ وہ دورِ جدید کی پیداوار ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بہت پرانی چیز ہے ، البتہ بیسویں صدی سے پہلے یہ نہ تو منظم وجود رکھتا تھا اور نہ اس کا کوئی نام تھا ۔ اس وسعت ، تنوع اور آزاد خیالی کی بدولت ، جو دورِ حاضر میں سائنسفسانے کا خاصہ ہے ، اس کا دائرہ مکانی اور زمانی طور پر بہت پھیل گیا ہے ۔ اب بہت سی پرانی تصنیفات میں سائنسفسانے کے نقوش صاف نظر آتے ہیں ۔ اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو مثلاً سند باد جہازی کے سفر ، طلسمِ ہوشربا ، ٹامس مور کا یوٹوپیا ، ایلس ان ونڈر لینڈ اور شیکسپیئر کا The Tempest بھی ایک سطح پر سائنسفسانے ہی ہیں ۔

سائنسفسانے کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کا سہرا دو مصنفوں کے سر ہے ۔ ایک تو فرانس کا ژول ورن (۱۸۲۸ — ۱۹۰۵) اور دوسرے انگریز مصنف ایچ ۔ جی ۔ ویلز (۱۸۶۶ — ۱۹۴۶)۔ ژول ورن ، جس نے سائنسفسانوی ناولوں کے علاوہ مہماتی قصے بھی لکھے ہیں ، سائنسفسانے کا معمارِ اعظم تھا ۔ ایچ ۔ جی ۔ ویلز کی دلچسپیاں بہت متنوع تھیں اور اس نے ناول ، فلسفہ ، تاریخ ، سبھی کچھ تحریر کیا ہے لیکن اس کی شہرت کی بنیاد بڑی حد تک اپنے سائنسفسانوی قصے کہانیوں پر ہے ۔ ان دو حضرات کی مساعی نے سائنسفسانے کو تقویت پہنچائی ، اس کی بنیادوں کو پکا کیا ۔ ان کے علاوہ غالباً امریکی مصنف ایڈگر ایلن پو کا نام بھی اس سلسلے میں لیا جا سکتا ہے ۔

اس صنف کو قبولِ عام بیسویں صدی کی تیسری دھائی میں حاصل ہؤا ۔ ابتدا میں اس قسم کے افسانے اور ناول (قسط وار) رسالوں میں چھپا کرتے تھے ۔ آھستہ آھستہ ان رسالوں کی تعداد بڑھنے لگی ۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد سائنسفسانے نے یکایک بڑا زور پکڑا ۔ رسالوں کے علاوہ وہ کتابی صورت میں بھی شایع ہونے لگا ۔ آج کل یہ روز افزوں ترقی کر رہا ہے اور ناشروں کے معتبر ذرائع سے پتا چلتا ہے کہ قبولِ عام کے لحاظ سے یہ بڑی تیزی سے جاسوسی ناولوں ، مہماتی قصوں اور ڈراؤنی کہانیوں وغیرہ سے بازی لے جا رہا ہے ۔ یہی نہیں ، یہ اشتراکی ملکوں بالخصوص روس میں بھی اتنا ھی مقبول ہے جتنا کہ امریکہ یا برطانیہ میں ۔

آخر سائنسفسانہ ہے کیا ؟ اس کی جامع تعریف کرنا دشوار

ہے کیونکہ اب اس میں بے حد لچک آ گئی ہے ۔ سائنسفسانوی موضوعات ادب میں زمانۂ قدیم سے موجود ہیں ۔ پہلے وقتوں میں ان سے معاشرے پر طنز یا تنقید کرنے کا یا عجائب و غرائب سے مملو قصے گھڑنے کا کام لیا جاتا تھا ۔ دورِ حاضر کے ابتدائی سائنسفسانوں میں بالعموم ایسی ایجادوں کا ذکر ہوتا جن کا مستقبل میں منصۂ شہود پر آنا ممکن ہو یا ایسے عالمی یا سماوی حادثات کی تصویر کھینچی جاتی جو پیش تو نہ آئے ہوں لیکن آ سکتے ہوں یا دوسرے سیاروں کی سیر و سیاحت کا یا دوسرے ابعاد کا حال ہوتا یا سائنس یا فطرت کے ہاتھوں نوعِ انسانی یا دوسری جاندار اشیا میں نفسیاتی یا جسمانی تبدیلیوں کی عکاسی کی جاتی ۔ دوسری دنیاؤں کی مخلوقات کا ذکر اور ان کا انسانوں سے تصادم خاص موضوع تھا اور اس میں بڑی دلچسپی لی جاتی تھی ۔ بادی النظر میں یہی تین چار موضوع بنیادی ہیں ۔ زیرِ مطالعہ مجموعے کے سب افسانے انھی موضوعات کے ذیل میں رکھے جا سکتے ہیں ۔

بہرحال ، اب تو یہ نوبت آ پہنچی ہے کہ سائنسفسانے میں Fantasy ، اساطیر ، طنز ، تنقیدِ ذات ، مزاح ، مذہب ، فلسفے ، سائنس اور ادب کی حدیں گڈمڈ ہو چکی ہیں ۔ سائنسفسانہ امکانات کو قلم بند کرتا ہے ، خواہ وہ سائنسی حقائق سے متعلق ہوں ، خواہ انسان کی تیزی سے بدلتی ہوئی زندگی سے ۔ اور امکانات کی کوئی حد نہیں ۔

پہلے پہل سائنسفسانوں میں مزاح کی شدید کمی تھی ۔ غیر ضروری سنجیدگی سے پیدا ہونے والا روکھا پن بتدریج ہی دور

ہوا ۔ اب یہ عالم ہے کہ مزاح ایسے افسانوں کا ایک نہایت شگفتہ پہلو بن چکا ہے ۔ اپنی کمزوریوں ، کوتاہیوں اور خوش فہمیوں پر آپ ہنسنا جرأت کی بات ہے ۔ انسان کی ہنر مندی اور بلند خیالی پر فخر کرنے کے ساتھ ساتھ سائنسفسانہ اس کی بیوقوفیوں اور اکڑفوں کا مذاق بھی اڑاتا ہے ۔ اس طرح توازن قائم رہتا ہے ۔ اس انتخاب میں کئی کہانیاں ایسی ہیں جن کا تانا بانا مزاح سے تیار کیا گیا ہے ۔ ان کہانیوں سے قطع نظر میں دو اور کہانیوں کا خاص طور پر ذکر کرنا چاہتا ہوں جو مجھے پسند ہیں ۔ ایک تو رے بریڈبری کی " وہ لوگ کہاں گئے نہ جانے " اور دوسری رابرٹ مور ولیمز کی " طلسمی دوا "۔ جہاں تک حسنِ بیان اور سماں باندھنے کا تعلق ہے کم ہی مصنف بریڈبری کا مقابلہ کر سکتے ہیں ۔ ترجمہ کرتے وقت میں نے اس کی نفیس نثر کے ساتھ انصاف کرنے کی اپنی سی کوشش کی ہے ۔ " طلسمی دوا " کی ایک خوبی تو یہ ہے کہ یہ بڑی جچی تلی کہانی ہے ۔ اس کے علاوہ اس میں ریاکاری سے نفرت ، انسانوں سے ہمدردی اور اُمید کی جو لہریں دوڑتی نظر آتی ہیں اُن کا مجموعی تأثر بہت خوشگوار ہے ۔

اردو میں سائنسفسانوں کا شاید یہ پہلا مجموعہ ہے ۔ اگر یہ سائنسفسانے کے بیج کا کام دے جائے تو کیا اچھا ہو ۔ ایک دفعہ جڑیں جم جائیں تو پھلنے پھولنے میں دیر نہیں لگتی ۔

محمد سلیم الرحمٰن

کوششِ ناتمام

فرینک رابنسن

ہم نے ہاتھ ملایا ؛ ایک منٹ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے کھڑے رہے ۔ پھر مارک مڑا اور راکٹ کی طرف چلا گیا ۔ چاندنی چھٹکی ہوئی تھی ۔ میں نے دل میں کہا کہ مارک بہت خوف زدہ ہے مگر اپنے خوف کو ظاہر نہیں ہونے دیتا ۔

وہ دور پہنچ گیا تھا اور چھوٹا سا نظر آ رہا تھا ۔ پھر وہ راکٹ کے گرد جمع مستریوں اور سامان کے ٹرکوں میں اوجھل ہو گیا ۔ راکٹ ایک رو پہلے چلغوزے کی مانند کھڑا نوک سے ستاروں کی طرف اشارہ کر رہا تھا ۔ چودھویں کا چاند تھا اور صحرا کی مہیب خاموشی دور دور تک پھیلی ہوئی تھی ۔ مجھے یکایک سردی محسوس ہوئی ۔ رات کی ٹھنڈی ہوا چلنے لگی تھی ۔ میں نے سوچا اب تو مارک راکٹ میں بیٹھ چکا ہو گا اور اپنے دفتر کی طرف چل دیا ۔

کمرے میں قدم رکھتے ہی سارجنٹ روڈنی میری طرف لپکا ۔ اس کے ماتھے سے پسینہ بہہ رہا تھا : " میجر ، ان لوگوں سے آپ ہی نمٹیے ۔ صاحبان ، ذرا خاموش ہو جائیے ! میجر صاحب آپ سے باتیں کریں گے ۔"

دیکھتا کیا ہوں کہ جس کمرے میں چھ آدمیوں کے کھڑے

ہونے کی جگہ تھی وہاں کوئی دو درجن رپورٹر ٹھنسے ہوئے ہیں ۔ میں بڑا گھبرایا کیونکہ کمرے میں ریڈیو اور راڈر کا انتہائی نازک سامان جمع تھا اور ذرا سی ٹھیس لگنے سے خراب ہو سکتا تھا ۔ اتنے میں ایک رپورٹر نے پوچھا : " میجر صاحب ، اس راکٹ کی پرواز سے آپ کا کیا تعلق ہے اور یہ سارا ساز و سامان اس کمرے میں کیوں جمع ہے ؟ "

" یہ باتیں تو آپ کو محکمہ تعلقاتِ عامہ سے معلوم ہو سکتی تھیں ۔" میں نے کہا ، " بہرحال ، مختصر طور پر ، آپ یوں سمجھ لیجیے کہ ہم ان آلات کی مدد سے تمام وقت راکٹ سے رابطہ قائم رکھیں گے ۔"

" یعنی آپ تمام وقت پائلٹ سے باتیں کر سکیں گے ۔ بہت خوب ! " ایک موٹی سی عورت نے خوش ہو کر کہا ۔ ایک اور نامہ نگار کھٹ سے بول اٹھا : " اچھا ، جناب ، پائلٹ کے متعلق تو کچھ بتائیے ۔" دوسرا بولا : " پائلٹ فوج کا آدمی تو ہے نہیں ۔ ٹھیک طرح اپنا کام بھی کر سکے گا ؟ "

یہ سوالات سن کر میں چڑ گیا : " یہ باتیں آپ نے محکمہ تعلقاتِ عامہ سے کیوں نہ معلوم کر لیں ؟ اب تھوڑا سا وقت رہ گیا ہے ۔ میں بس اتنا بتا سکتا ہوں کہ ۔۔"

میدان میں جا بجا نصب لاؤڈ اسپیکروں سے آنے والی آواز نے میری جان چھڑائی : " راکٹ چھوٹنے میں اب دس منٹ رہ گئے ہیں ۔ سب لوگ اپنی اپنی مقررہ جگہوں پر پہنچ جائیں ۔ راکٹ چھوٹنے میں اب ۔۔" اس آواز کو سنتے ہی سب رپورٹر ایک دوسرے کو ریلتے پیلتے میرے کمرے سے نکل گئے ۔ بس ایک

دبلا پتلا آدمی باقی بچا جس نے موٹا سا چشمہ لگا رکھا تھا ۔ وہ میری طرف ایک کاغذ بڑھاتے ہوئے بولا : " میجر صاحب ، میں ایسوسی ایٹڈ پریس کا نمائندہ ہوں ۔ میں اس کمرے میں بیٹھ کر خبریں تیار کرنے کی اجازت لے چکا ہوں ۔ میرا نام ہولز ہے ۔"

یہ سن کر میں نے کہا : " اچھا ، سنو ! آلات کو مت چھونا اور ہمیں تنگ مت کرنا ۔ تعاون کرو گے تو فائدے میں رہو گے ۔ اس کے علاوہ یہاں تمہیں ہاتھ سے لکھنا پڑے گا ۔ ٹائپ رائٹر کے شور سے ہمارے پیغامات میں خلل پڑ سکتا ہے ۔ سمجھے ؟ "

اس نے اثبات میں سر ہلایا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا ۔ میں نے ٹیلی وژن چلایا اور راکٹ نظر آنے لگا ۔ اس وقت ہر جگہ سے ایک ہی پروگرام ہو رہا تھا ۔ اب راکٹ کے آس پاس کوئی آدمی نہ تھا اور اس پر چاروں طرف سے روشنیاں پڑ رہی تھیں ۔ میں نے مارک سے رابطہ قائم کیا : " میں ریڈیو روم سے بول رہا ہوں ۔ جواب دو ۔ سنا ؟ جواب دو ۔" پھر مارک کی آواز آئی جو کچھ بے سری سی معلوم ہو رہی تھی : " ہیلو ، فرینک ، تمہاری آواز صاف سنائی دے رہی ہے ۔ کیا بجا ہے ؟"

" دس تریپن ۔ تمہارا وقت پیما کیا کہتا ہے ؟ "

" بالکل ٹھیک ہے ۔ سنو ، فرینک ، اب میں ذرا آخری بار آلات کو چیک کر لوں ۔ راکٹ چھوٹنے کے دس منٹ بعد مجھے آواز دینا ۔" یہ کہہ کر اس نے سلسلہ منقطع کر دیا ۔

یا تو کمرہ بہت گرم تھا یا مجھے بہت زیادہ گرمی لگ رہی تھی ۔ میری قمیض بدن سے چپک گئی تھی اور دم گھٹا جا

رہا تھا ۔ کچھ ایسی بے چینی طاری تھی کہ میں نے سگریٹ کا سرا چبا لیا اور بعد میں ، منہ کڑوا ہو جانے کی وجہ سے ، تھوکتا پھرا ۔ اتنے میں لاؤڈ اسپیکر نے دھاڑنا شروع کیا : "توجہ دیجیے۔ راکٹ چھوٹنے میں ساٹھ سیکنڈ رہ گئے ہیں ۔ ساٹھ سیکنڈ.. مچان ہٹاؤ...پچاس سیکنڈ ۔" ٹیلی وژن کے پردے پر مچان راکٹ سے ہٹتی نظر آئی اور راکٹ اپنی تین ٹانگوں پر کھڑا رہ گیا ۔ " چالیس سیکنڈ...تیس سیکنڈ..." روڈنی کی آنکھیں ٹیلی وژن پر جمی ہوئی تھیں ۔ بولز پنسل گھماتا رہا ، پھر یکایک اسے جیب میں ڈال کر سیدھا بیٹھ گیا ۔ میں سوچ رہا تھا کہ مارک یوں محسوس کر رہا ہو گا جیسے کسی عنقریب پھٹ جانے والے بم پر سوار ہو ۔ "...دس...نو...آٹھ..." میں دم بخود ٹیلی وژن کی طرف دیکھ رہا تھا ۔ اچانک راکٹ کے عقبی حصے سے شعلے نکلے ، وہ ایک لمحے کے لیے آگ کے ستون پر ٹکا ہوا نظر آیا اور پھر ستاروں بھرے آسمان پر ایک آتشی مشعل کی طرح چمکا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ واژگوں مشعل بھی ستاروں میں کہیں چھپ گئی ۔

* * *

میں خاموش بیٹھا یہ سوچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ مارک اب کیا محسوس کر رہا ہو گا ۔ " کیا میں اب ایک سوال پوچھ سکتا ہوں ؟ " بولز یکایک بولا ۔

" کیوں نہیں ۔" میں نے جواب دیا ۔

" میں سمجھتا ہوں ، میجر ، کہ یہ راکٹ چاند پر نہیں اترے گا ۔"

" ٹھیک ! یہ راکٹ چاند کے گرد گھوم کر واپس آ جائے گا ۔ چاند پر اترنا ہم نے آئندہ کے لیے اٹھا رکھا ہے ۔"

" اچھا ، یہ تو بتائیے کہ اس میں کتنا عرصہ لگے گا ؟ "

" سفر کا پہلا مرحلہ چوبیس گھنٹے میں طے ہو گا ، یعنی کل رات اسی وقت وہ چاند کے گرد مڑنا شروع کرے گا ۔" وہ لکھتا رہا اور پھر جیب سے ایک تصویر نکال کر پوچھنے لگا : " پائلٹ یہی ہے نا ؟ " میں نے تصویر دیکھ کر کہا : " ہاں ، مگر یہ فوٹو دو سال پرانا ہے ۔ تم نے محکمہ تعلقاتِ عامہ سے نئی تصویر کیوں نہ لے لی ؟ " بولز نے سر ہلایا : " نہیں ، مجھے یہی پسند ہے ۔" یہ اس قسم کی تصویر تھی جیسی اکثر کالج کے رسالوں میں نظر آتی ہے ؛ چہرے پر لڑکپن ، چکنی اور بے داغ جلد ، چہرے کے خطوط فوٹو گرافر کے ہاتھوں سنورے ہوئے ، ہونٹوں پر مناسب سی مسکراہٹ ۔ مگر اس کی آنکھیں بڑی سنجیدہ اور متفکر تھیں جیسے اس کی مسکراہٹ کو جھٹلا رہی ہوں ۔ " میجر صاحب ، یہ کس قسم کا آدمی ہے ؟ "

" بھئی کیا بتاؤں ! اس کا کردار سمجھنا مشکل ہے ۔ درمیانے طبقے سے تعلق رکھتا ہے ۔ ہائی سکول میں تھا تو بہت پڑھا کرتا تھا ۔ اسے وظیفہ بھی ملا تھا ۔ پڑوس کے لڑکے کاؤ بوائے یا جاسوس بننے کے خواب دیکھا کرتے تھے تو وہ سائنس دان بننے کی فکر میں تھا ۔ اس کی شخصیت وغیرہ کچھ نہیں ۔ اس میں کوئی کشش نہیں ۔ مجھے یقین ہے کہ اخبار اور پبلک اسے ہیرو بنانے کی کوشش کریں گے تو منہ کی کھائیں گے اور تلخ کام ہوں گے ۔"

میں نے اپنی بات ختم ہی کی تھی کہ ریڈیو چڑچڑا کر بولا :
" کیا تم میری آواز سن رہے ہو ، فرینک ؟ سن رہے ہو ؟ بولو، بولو ۔" اس کی آواز دھیمی اور گھبرائی ہوئی سی تھی ۔ میں نے جلدی سے جواب دیا : " ہاں ، ہاں ، تمہاری آواز صاف آ رہی ہے ۔ تمہاری طبیعت کیسی ہے ؟ "

" ٹھیک نہیں ہے ۔ برابر جی متلا رہا ہے ، جیسے میں کسی غبارے میں بند ہوں اور وہ بڑی تیزی سے گرتا جا رہا ہو ۔ آنکھیں بند کرتا ہوں تو طبیعت اور بگڑتی ہے ۔" یہ بات سن کر میرا اپنا جی متلانے لگا مگر میں نے سنبھل کر پوچھا :
" آلات کیا بتاتے ہیں ؟ "

" اونچائی باون لاکھ اسی ہزار فٹ یعنی ایک ہزار میل ۔ پہلی اسٹیج ابھی ابھی الگ ہوئی ہے ۔ کشش ثقل یونہی سی ہے ۔ میں راکٹ کو ذرا گھماتا جا رہا ہوں تاکہ کم از کم ایک پہلو سورج سے بچا رہے ۔ کیمرے ٹھیک کام کر رہے ہیں ۔ ابھی غلطی سے سورج کی طرف کی کھڑکی کھل گئی تھی ، کباب ہوتے ہوتے بچا ۔ یہاں تو سورج کی کرنیں آگ سے کم نہیں ۔ جب دنیا پر نظر پڑتی ہے تو ہوش اڑ جاتے ہیں ۔ عجب منظر ہے ۔ سارا امریکہ نظر آ رہا ہے لیکن کرۂ ہوا کی وجہ سے کچھ ایسا مسخ ہوگیا ہے جیسے پانی میں ڈوبا ہوا ہو ۔ کہیں کہیں بادل بھی ہیں ۔"

مجھے وقت ملانے کا خیال آیا ۔ میں نے پوچھا : " تمہارے وقت پیما میں کیا بجا ہے ؟ " " ہیں ! یہ تو معلوم ہوتا ہے رک گیا ۔" یہ سن کر میرا ماتھا ٹھنکا ۔ وقت پیما کوئی بہت اہم

چیز تو نہ تھا تاہم اسے رکنا نہ چاہیے تھا ۔ اس کا خاص اہتمام کیا گیا تھا کہ وہ رکنے نہ پائے ۔ اگر وہ رک سکتا تھا تو کوئی اور گڑبڑ بھی ہو سکتی تھی ۔ میں نے کہا : " اسے ٹھیک کر لو ۔ گیارہ تینتیس ہوئے ہیں ۔" پھر میں نے مارک کی توجہ ہٹانے کی غرض سے گفتگو کا موضوع بدل دیا ۔ " کچھ طبیعت سنبھلی ؟ " " نہیں ، حرارت سی ہے ۔ سر میں درد بھی ہو رہا ہے ۔ یہاں کرے میں اِدھر اُدھر پھرنے میں بڑا مزا آتا ہے ۔ کششِ ثقل نہ ہونے کی وجہ سے اوپر نیچے کا کوئی وجود نہیں ۔ ہوا میں تیرتا پھر رہا ہوں ۔ اچھا ، سنو ! اب میں ذرا کیمروں کی فلمیں بدلتا ہوں ۔ کوئی ایک گھنٹے بعد ملاقات ہو گی ۔"

" ٹھیک ہے ۔ میں یہیں ہوں ۔" میں نے اسے اطمینان دلایا ۔ روڈنی نے ہماری تمام گفتگو ٹیپ پر ریکارڈ کر لی تھی ۔

اُدھر ہولز کچھ کافی لے آیا ۔ بولا : " میجر ، میں نے سوچا کہ رات بھر جاگنا ہے ، ذرا کافی کا شغل ہی رہے ۔" میں نے کہا : " اب مجھے پتا چلا کہ صحافیوں میں کچھ خوبیاں بھی ہوتی ہیں ۔" ہم کافی پینے لگے ۔ ہولز نے جیب سے مارک کی تصویر نکالی اور بغور دیکھنے لگا : " کل یہ شخص ہیرو بن چکا ہوگا ۔" میں یہ سن کر چڑ سا گیا : " ہیرو ! ہونہہ ۔ اسے ہیرو بننے کی کوئی تمنا نہیں ۔ وہ بس ایک کام کر رہا ہے ۔ کولمبس اپنے تین بوسیدہ جہازوں سمیت داد و تحسین وصول کرنے کے لیے روانہ نہیں ہوا تھا ۔ وہ کچھ ثابت کرنا چاہتا تھا ۔ مارک بھی کچھ ثابت کرنا چاہتا ہے ۔"

" اچھا ! کیا ثابت کرنا چاہتا ہے وہ ؟ اور آپ کو یہ

کیسے پتا چلا کہ وہ کچھ ثابت کرنا چاہتا ہے ؟ "

" مجھے اس لیے پتا ہے کہ جتنی اچھی طرح اسے میں جانتا ہوں ، کوئی نہیں جانتا ۔ یہ تو وہ خود ہی بتا سکتا ہے کہ وہ کیا ثابت کرنا چاہتا ہے ۔ میرے پاس اس بات کے لیے الفاظ نہیں ۔ خیر ، وہ محسوس کرتا ہے کہ انسان کو ایک چھوٹے سے سیارے تک محدود نہ رہنا چاہیے ۔ وہ — وہ ستاروں کو چھونا چاہتا ہے ۔"

کھلے دروازے سے سرد ہوا کا جھونکا اندر آیا ۔ باہر ریت اڑ رہی تھی ۔ مچان لے جانے والی گاڑیاں گھڑگھڑ کرتی گزر رہی تھیں ۔ یونہی رات گزرتی گئی ۔ صبح قریب آئی ، ستارے بجھنے لگے ۔ مارک اب بہت دور پہنچ چکا تھا ۔ بولز نے ایک دفعہ آہستہ سے ، گویا اپنے آپ سے ، پوچھا : "میں حیران ہوں کہ وہ کیا سوچ رہا ہوگا ! " میں نے کہا : " ہاں ، واقعی ! " میں خود حیران تھا ۔

* * *

پو پھٹنے سے پہلے مارک سے ایک بار اور گفتگو ہوئی ۔ کہنے لگا : " دباؤ اور درجۂ حرارت نارمل ہے ۔ رفتار اور آکسیجن کی مقدار میں بھی کوئی فرق نہیں ۔ کیمرے ٹھیک چل رہے ہیں ۔ کوئی خاص کام نہیں کرنا پڑ رہا ۔"

بولز نے ایک پرچی میرے سامنے رکھ دی جس پر لکھا تھا : " پوچھیے کہ چاند کیسا لگ رہا ہے ۔" میں نے پوچھا تو مارک نے جواب دیا : " چاند بہت حسین اور روشن ہے ۔ اس سے زیادہ حسین شے میری نظر سے کبھی نہیں گزری ۔ بہت

سارے چھوٹے بڑے حصے ، وادیاں ، پہاڑ اور صحرا صاف نظر آ رہے ہیں ۔ میں نے کہا میں اب پچاس ہزار میل دور ہوں ۔ میرا خیال ہے کہ میں رات کے نو بجے چاند کے گرد مڑنا شروع کروں گا ۔"

" تمہاری طبیعت کیسی ہے ؟ "

" پہلے سے بہتر ہے ۔ سر میں درد نہیں ۔ بس ذرا سست ہے اور..." وہ رک گیا ۔

مجھے تشویش ہوئی ۔ میں نے کہا : " ہاں ، اور کیا ؟ "

"...میں تنہا محسوس کر رہا ہوں ، فرینک ۔ دنیا پر تو دوسروں کا ساتھ ہوتا ہے ، تنہائی سے بچنے کی سو تدبیریں ہوتی ہیں ۔ ہم انسان جلوت پسند واقع ہوئے ہیں ۔ اِدھر میرا یہ عالم ہے کہ اب میں دنیا سے پچاس ہزار میل دور ہوں ۔ اِرد گرد پچاس ہزار میل تک کوئی نہیں ۔ یہ تنہائی مجھے کھائے جا رہی ہے ۔ اگر تم سے بات کرنے کا آسرا نہ ہو..."

میں نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی : " مارک ، میں یہیں رہوں گا ۔ تمہاری واپسی تک رات دن جونک کی طرح ریڈیو سے چمٹا رہوں گا ۔ یاد رکھو ، مارک ، تم تنہا نہیں ہو ۔ ہم تم سے باتیں کرنے کے لیے یہاں موجود ہیں ۔ سمجھے ؟ "

اس نے ایک دو باتیں اور کیں اور پھر سلسلہ منقطع کر دیا ۔ مجھے اس طرح پسینہ آ رہا تھا جیسے ابھی کئی میل دوڑ کر آیا ہوں ۔ میں نے بولز سے کہا : " ذرا سوچو ، اسے کیا محسوس ہو رہا ہو گا ۔ چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا اور سورج اور ستارے بکھرے ہوئے اور بس ایک آواز کا ساتھ ، ایک آواز کا

سہارا جو بڑی دور سے آ رہی ہے ۔کیسی زبردست تنہائی ہے !"
ہولز نے سر ہلایا : " ہاں ، مجھے تو اس کے تصور ہی سے دہشت ہوتی ہے ۔"

پھر صبح ہوئی ۔ اڈے پر چہل پہل ہوئی ۔ ہولز ناشتہ کرنے گیا تو میرے لیے بھی چائیں اور تلے ہوئے انڈے لے آیا ۔ جی خوش ہو گیا میرا ۔ وہ ایک اخبار بھی لایا تھا جو مارک اور راکٹ کی خبروں سے بھرا ہؤا تھا ۔ ہم اخبار پڑھتے رہے ۔ مارک نے کوئی بات نہ کی ۔ میرا خیال تھا کہ وہ کچھ دیر کے لیے سو گیا ہے ۔ راکٹ تو تقریباً خودکار تھا ، اس لیے سونے میں کوئی خطرہ نہ تھا ۔

دوپہر کو مارک نے رابطہ قائم کیا ۔ اس کی آواز تھکی تھکی اور بے رنگ تھی : " ہر چیز نارمل ہے ۔ بس راکٹ میں گھٹن بہت ہے ۔ فاصلہ ہے ایک لاکھ پچھتر ہزار میل ۔ میرا خیال ہے ٹھیک وقت پر مڑوں گا ۔"

" تمہاری طبیعت اب ٹھیک ہے ۔" میں نے پوچھا ، " کچھ کھایا بھی ؟ "

" بھوک ہی نہیں لگی ۔ کچھ رس پیا تھا ۔ نہانے کو دل چاہ رہا ہے ۔ پسینہ بہت آتا ہے اور کم بخت بہتا نہیں ۔ ایک دو دفعہ میں نے پونچھ کر جھٹک دیا تو اس کی بوندیں ہوا میں تیرنے لگیں ۔ دنیا بہت خوبصورت لگ رہی ہے ، گول نیلا فٹ بال ہو جیسے ۔ دنیا کو دیکھ دیکھ کر ، فرینک ، مجھے تمہارا اور دوسروں کا خیال آتا ہے ۔ تم اندازہ نہیں کر سکتے کہ میں کتنا تنہا ہوں ۔ ایسا لگتا ہے جیسے کوئی آدمی ٹب میں بیٹھا

کسی بحرِ ناپیدا کنار میں بہا جا رہا ہو ۔ اگر آئندہ ہم نے کوئی راکٹ بھیجا تو اس پر دو آدمی ہونے چاہییں ۔"

" کوئی بات ہو تو مجھے بتا دو ۔"

" کیا بات ہو سکتی ہے ؟ ارے ہاں ، مجھے کوئی اخبار تو پڑھ کر سناؤ ۔ لیکن بین‌الاقوامی اور سیاسی خبریں نہ سنانا بلکہ چھوٹی موٹی مقامی خبریں ، جیسے فلاں نے غصے میں آ کر اپنی بیوی کا سر مونڈ ڈالا یا اسمگلروں کو ان کی معشوقہ نے پکڑوا دیا وغیرہ ۔"

ہم اسے اخبار پڑھ کر سناتے رہے ۔ سہ پہر اخبار سنانے میں کٹی ۔ شام کے وقت اخبار ختم ہوا تو میں اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا ۔ اب مارک اتنا سہما ہوا تھا کہ ریڈیو سے ہٹنے کا نام نہ لیتا تھا ۔ تنہا رہ جانے کا خوف اس پر بری طرح غالب تھا ۔ میں اس کے لیے ایک آواز ہی سہی مگر میری آواز اس کی ڈھارس بندھا رہی تھی ۔

خدا خدا کر کے دس پچپن ہوئے ۔ اب اس کے راکٹ کو چاند کے گرد مڑنا تھا ۔ مارک کی آواز آنی بند ہوگئی کیونکہ چاند کے درمیان میں حائل ہو جانے کے بعد کچھ دیر ریڈیو پر بات نہ ہو سکتی تھی ۔ ابھی چاند حائل تو نہ ہوا تھا مگر مارک کو اب کچھ کام کرنا تھا ، آلات کو دیکھنا بھالنا تھا ۔

کوئی گیارہ بجے راکٹ رانی کا مہتمم کرنل جانسن اچانک کمرے میں داخل ہوا ۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں ۔

" کیا ہو گیا ؟ " میں نے گھبرا کر پوچھا ۔

" ہوتا کیا ، آپریشن روم والے کہتے ہیں کہ راکٹ نے

ابھی تک مڑنا شروع نہیں کیا ۔ میں مارک سے بات کرکے دیکھتا ہوں ۔" میں نے جلدی سے دوسرا ایئر فون اٹھا لیا ۔ کرنل بولا : " ہیلو ، مارک ، میں کرنل جانسن بول رہا ہوں ۔ میری آواز تم تک پہنچ رہی ہے ؟ "

" صاف آ رہی ہے ۔ کیا قصہ ہے ، کرنل ؟ "

" میری بات دھیان سے سنو ۔ کنٹرول روم کو پتا چلا ہے کہ راکٹ نے مڑنا شروع نہیں کیا ۔ شاید خود کار آلات کام نہیں کر رہے ۔ تمہیں جہاز کو خود موڑنا پڑے گا ۔ میری ہدایات غور سے سنو ، انہیں دھراؤ اور پھر عمل کرو ۔ دیکھو ..." کرنل نے ہدایات دینی شروع کیں ۔ پھر مارک نے لفظ بلفظ انہیں دھرایا ۔ جب کرنل کو اطمینان ہو گیا تو اس نے ہدایات پر عمل کرنے کی اجازت دے دی ۔ میری ناک سے ٹپ ٹپ پسینہ گر رہا تھا ۔

منٹ بھر بعد کرنل نے پوچھا : " کچھ کام بنا ؟ راکٹ کا رخ بدلا ؟ " جواب ندارد ۔

کچھ دیر بعد مارک نے جواب دیا : " نہیں ، کرنل ۔ معلوم ہوتا ہے کہ پرواز شروع کرتے وقت ابتدائی جھٹکے سے کچھ تار ٹوٹ گئے ہیں ۔ بٹن دباتا ہوں ، کچھ ہوتا ہی نہیں ۔" اس کا مطلب تھا کہ راکٹ گھوم کر لوٹ آنے کی بجائے سیدھا چلتا جائے گا ۔

کرنل پیچھے کو جھک گیا اور آہ بھر کر بولا : " مجھے بہت افسوس ہے ، مارک ۔" اس نے اپنا ایئر فون اتار دیا اور مجھ سے کہنے لگا : " فرینک ، میں کچھ نہیں کر سکتا ۔ میں سمجھتا ہوں

تم اس سے بات کرنا چاہو گے ۔" یہ کہہ کر وہ چلا گیا ۔ میں پانچ منٹ تک چپ چاپ بیٹھا رہا ۔ میری سمجھ میں نہ آیا کہ میں بات کس طرح شروع کروں ۔ اتنے میں مارک خود ہی بولا : " فرینک ، میرا خیال ہے میں کامیاب نہ ہو سکوں گا ۔" میں جواب میں یہی کہہ سکا : " ہاں ، تم کامیاب نہ ہو سکو گے ۔" اس کے بعد مارک نے کہا : " فرینک ، کیا تم کچھ دیر مجھ سے باتیں کرتے رہو گے ۔ میں اکیلا ہوں ، بالکل اکیلا ہوں ، میرے خدا ۔"

" کیوں نہیں ۔ تم جب تک چاہو گے میں یہیں موجود رہوں گا ۔"

اور پھر میں تمام رات اس سے باتیں کرتا رہا : گھر بار کی چھوٹی موٹی باتیں ، روزانہ زندگی کے معمولی حادثات اور یہ کہ بچپن کے دن کتنے اچھے تھے اور ہم کیا کیا کرتے تھے اور گرمیوں کے دن اور جاڑوں کی راتیں کیسی ہوتی ہیں اور خزاں میں پتے کس طرح جھڑتے ہیں...

اب وہ چاند سے آگے نکل چکا تھا اور سیدھا چلا جا رہا تھا ۔ اس کی آواز مدھم پڑتی گئی اور آخر اس سے رابطہ قائم رکھنے کے لیے ہمیں مورس کوڈ سے مدد لینی پڑی ۔ اگلی صبح تک تو مورس کوڈ سے کام چلا ، پھر وہ بھی وقتاً فوقتاً جواب دینے لگا ۔ شاید سہ پہر کے وقت ، مجھے اب ٹھیک یاد نہیں کہ سہ پہر تھی یا شام تھی ، میں مسلسل جاگتے رہنے کی وجہ سے یکایک سو گیا ۔

جب روڈنی نے مجھے جگایا تو رات ہو چکی تھی ۔ اس نے چند کاغذ میری طرف بڑھائے جن پر چند بے ترتیب سے پیغام لکھے تھے اور دعائے ربانی کے ایک دو نامکمل جملے ۔ کہنے لگا :

" اب وہ ریڈیو کی پہنچ سے باہر ہے ۔"

ہولز نے رپورٹ لکھتے لکھتے ہاتھ روکا اور بولا : " میجر ، آپ کے نام میں بھی لیونز آتا ہے اور مارک کے نام میں بھی ۔ آپ رشتے دار تھے کیا ؟ " میں نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا : " کیا تم نے تعلقات عامہ والوں کا پرچہ نہیں دیکھا تھا ؟ مارک میرا چھوٹا بھائی تھا ۔" یہ کہہ کر میں اٹھا اور کمرے سے نکل گیا ۔

* * *

ایک میل چلنے کے بعد میں ریت کے ایک تودے پر بیٹھ کر ستاروں کی طرف دیکھنے لگا ۔ دور دور تک پھیلی ہوئی لامتناہی تاریکی میں اوپر کہیں ایک خوف زدہ اور تنہا نوجوان تھا جسے آج رات سے پہلے میں کبھی سمجھ نہ پایا تھا ۔ میں سوچنے لگا کہ وہ اپنے راکٹ میں تنہا اور سہما بیٹھا ہوگا اس چھوٹے سے نیلے کرے کو ، جو اس کی دنیا تھا ، بتدریج روشنی کے ایک نقطے میں تبدیل ہوتے دیکھ رہا ہو گا ۔ روشنی کا ایک نقطہ ، جسے کچھ دیر بعد وہ لاکھوں دوسرے نقطوں میں شناخت بھی نہ کر سکے گا ۔

میں نے مارک کو کبھی نہ سمجھا تھا ۔ لیکن میں نے اس رات سے پہلے کبھی خوابوں اور آدرشوں کو اور آن پر مر مٹنے والوں کو سمجھا ہی نہ تھا ۔ میں نے چاند کی طرف دیکھا جو خوب چمک رہا تھا اور یکایک مجھے خیال آیا کہ خواب کوئی ضروری نہیں کہ خواب دیکھنے والے کے ساتھ ہی فنا ہو جائیں ۔ کسی نہ کسی روز کوئی اور نوجوان کوشش کرے گا اور کسی نہ کسی روز وہ کامیاب ہو جائے گا ۔ ایک دن ایسا آئے گا جب مارک جیسا کوئی نوجوان ستاروں کو چھو لے گا ۔

نیا جہاز

والٹ شیلڈن

سب سے پہلے سارجنٹ ڈان نے ان کی آواز سنی ۔ اس دن صبح کو کنٹرول ٹاور پر اسی کی ڈیوٹی تھی ۔ شروع شروع میں تو وہ ان کی طرف ٹھیک طرح متوجہ نہ ہوئی ۔ وہ نئے اور حسین کمانڈر کرنل فیدرز کے خیالوں میں مگن تھی ۔ کرنل اور سارجنٹ کا بُعد اسے لمحہ بہ لمحہ کم ہوتا نظر آ رہا تھا ۔ اس نے دل میں کہا : " جب میں وردی اتار کر ڈھنگ کے کپڑے پہن کر نکلوں گی تو ممکن نہیں وہ میری طرف مائل نہ ہو ۔ تب اسے پتا چلے گا کہ دنیا میں جہازوں اور ہوا بازوں کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں دیکھنے کے لائق ہوتی ہیں ۔"

اتنے میں آواز آئی ، بہت شائستہ اور منجھی ہوئی : " ہیلو ، کنٹرول ٹاور ! یہ ہوائی جہاز نمبر ایک دو تین چالیس میل مغرب سے بول رہا ہے ۔ ایندھن ختم ہو گیا ہے اور آس پاس کوئی دوسرا ہوائی اڈا نہیں ۔ اس لیے آپ کو تکلیف دینی پڑی ۔ اترنے کے لیے ہدایات دیجیے ۔"

ڈان نے ماتھے پر سے کتھئی بالوں کی ایک لٹ ہٹاتے ہوئے کہا : " نمبر ایک دو تین ، ستائیس نمبر پٹی خالی ہے ۔ کوئی ٹریفک نہیں ۔ آپ کے لیے میدان صاف ہے ۔ اور کوئی بات ؟ "

" آپ کی پٹی کتنی لمبی ہے ؟ ہمیں کافی لمبائی کی ضرورت پڑے گی ۔"

" نو ہزار چھ سو فٹ ! "

" اچھا ، ہے تو ذرا چھوٹی ، مگر ہم کوشش کرتے ہیں ۔"

ڈان نے پہلے تو اس جملے پر توجہ نہ دی لیکن پھر چونک کر کارپورل برن ہلڈ سے ، جو پاس ہی کھڑی تھی ، کہنے لگی : " سنا ؟ جنوبی کمانڈ کی سب سے طویل پٹی کے لیے فرماتے ہیں کہ ذرا چھوٹی ہے ۔"

" کوئی نئی طرح کا جہاز ہو گا ۔"

" ان نئے جہازوں سے تو ناک میں دم آ گیا ہے ۔ مجھے تو ان کے ۔" اس کی بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ وہی آواز پھر سنائی دی : " میں اترنے والا ہوں ۔ میدان اب بھی صاف ہے کہ نہیں ؟ "

ڈان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا ۔ وہ جواب میں " ہاں " کہنا بھی بھول گئی ۔ سنبھل کر اس نے برن ہلڈ سے کہا : " ابھی تو کہہ رہا تھا کہ چالیس میل دور ہوں ۔" لیکن برن ہلڈ خود سب کچھ بھول کر ، حواس باختہ سی ، آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی ۔ اس نے ڈان کی بات نہ سنی اور بولی : " دیکھنا ! دیکھنا ! "

* * *

کرنل فیدرز اپنے کمرے میں ناشتہ کر رہا تھا ۔ اس کی تیوری چڑھی ہوئی تھی ۔ جو کرنل نو عمر ہو اسے ذرا اکڑ کر رہنا پڑتا ہے تاکہ لوگ اسے مذاق میں نہ ٹال سکیں ۔ کرنل کی

میز کے سامنے ایک چوڑی کھڑکی تھی جس سے سارا ہوائی اڈا نظر آتا تھا ۔ فیدرز صبح ہی صبح وہاں آ جایا کرتا ۔ اسے یہ منظر بہت پسند تھا کہ دور دور تک جیٹ جہاز ، بھنوروں اور تتلیوں کی طرح ، چپ چاپ کھڑے ہیں اور دھوپ دھیرے دھیرے چڑھ کر پٹیوں کو چمکا رہی ہے ۔ اسے اپنی اولیں کمان پر ناز تھا ۔ وہ افسرانِ بالا کو یہ جتانا چاہتا تھا کہ وہ صرف لڑاکا جہازوں ہی کا قائد نہیں ، ایک باشعور منتظم بھی تھا ۔

شوں ں ں ! کوئی چیز اوپر گزری ۔ کرنل نے بھنا کر اوپر دیکھا ۔ یہ سویرے سویرے کون احمق جہاز اڑانے لگا ، اور نیچی پرواز کرنے کی تو اس نے سخت ممانعت کر دی تھی ۔ لیکن عجیب بات تھی کہ یہ آواز جو اس نے ابھی سنی جیٹ جہازوں کی آواز سے بالکل مختلف تھی ۔ وہ کچھ گھبرا کر کھڑکی کی طرف بڑھا اور باہر دیکھتے ہی اس کے تیور ڈھیلے پڑ گئے ۔ " ارے توبہ ! " اس نے دل میں کہا ، " یہ کیسا جہاز ہے بھئی ؟ "

* * *

سارجنٹ ڈریکولا بڑے ہینگر کے آگے آرام کرسی پر لیٹا ، آنکھوں پر ٹوپی رکھے ، سستا رہا تھا ۔ رات اس نے بہت عیاشی کی تھی ۔ پہلے تو یار لوگ پوکر کھیلتے رہے ؛ پھر ٹھرے کا دور چلا تو مٹکے خالی کر دیے ۔ اب ذرا ہوش آیا تھا تو وہ چین سے دھوپ میں لیٹا تھا ۔ اس کا قد لمبا ، چہرہ اداس ، ناک اونچی اور بال کالے تھے ۔ ڈریکولا کو ٹھرا پینے کا کچھ ایسا شوق نہ تھا ۔ لیکن جب ہوائی اڈا ایسی اجاڑ جگہ واقع ہو تو دل بہلانے کے لیے کیا کیا جائے ۔ اس نے کئی دفعہ تبادلے کے لیے

درخواست دی تھی لیکن کوئی شنوائی نہ ہوئی تھی ۔ وہ نیویارک جانا چاہتا تھا اور ہر وقت نیویارک کے خواب دیکھا کرتا تھا ۔

وہ کروٹ بدل ہی رہا تھا کہ بڑے زور سے شائیں شائیں کی آواز ہوئی ۔ وہ لیٹے لیٹے اچھل پڑا ۔ اس کی ٹوپی نیچے گر گئی ۔ اس نے آنکھیں سکیڑ کر آسمان کی طرف دیکھا ۔ اس کے دیکھتے دیکھتے کوئی گول سی چیز اڈے کے پرلے سرے پر بجلی کی طرح اتری ۔ اس وقت بھی اس کی رفتار دو سو میل سے کم نہ ہو گی ۔ جب اس کی رفتار ہلکی پڑی تو ڈریکولا نے دیکھا کہ وہ ایک قرص نما جہاز تھا ، جس کا درمیانی حصہ ابھرا ہؤا تھا اور پیچھے دھؤیں کی لمبی لکیر تھی ؛ پہیے اور پر البتہ اسے کہیں نظر نہ آئے ۔ " عجیب عجیب جہاز بنانے لگے ہیں یہ سائنس داں ۔" ڈریکولا بڑبڑایا ، " ایسا جہاز دیکھنے کے بعد تو ہوش میں آنے کے لیے ٹھرا پینا چاہیے ۔" اور پھر آرام سے لیٹ گیا ۔

* * *

جیسے ہی وہ جہاز دندناتا ہؤا اڈے پر اترا ، ہر طرف سے ہوا باز ، مکینک ، زمینی افسر ، ٹائپسٹ اور کلرک اسے دیکھنے کو دوڑ پڑے ۔ " اس کے پہیے کہاں ہیں ؟ " کسی نے بلند آواز سے پوچھا ۔ جہاز میں واقعی پہیے نہ تھے ۔ وہ پیٹ کے بل اترا ، رگڑ کی یونہی سی آواز ہوئی اور چکر کھاتا ہؤا دور جا کر رکا ۔ میجر ہنگ نے ، جس کے ذمے اڈے کی دیکھ بھال تھی ، جلدی سے ایک اسٹاف جیپ طلب کی اور جہاز کی طرف چلا ۔ وہ قریب پہنچا تو اس کا دیوزاد جثہ دیکھ کر حیران رہ گیا ۔ وہ امریکہ کے

بڑے سے بڑے بمبار جہاز سے دوگنا تھا ۔ لیکن نہ تو کوئی ایسی جگہ نظر آئی جسے ہوا باز کی نشست گاہ کہا جا سکے اور نہ اس میں کوئی کھڑکی تھی ۔ غرض کہ وہ رخ کے اس انڈے سے کچھ کچھ مشابہہ تھا جو سند باد جہازی کو ملا تھا ۔

میجر نے جیپ سے اُتر کر جہاز کے گرد گھومنا شروع کیا اور چیخا : " ارے بھئی کوئی ہے ؟ " وہ گھبرا سا گیا ۔ ابھی اس نے آدھا چکر کاٹا تھا کہ جہـاز کی دوسری طرف سے ایک خوبصـورت نوجوان اس کے پاس آیا ۔ اس کی نیلی وردی چمک رہی تھی ۔ میجر کو اسـے کا چہرہ کچھ مومی ، اکڑا ہؤا اور غیر فطری سا معلوم ہؤا ۔ اس نے میجر کو دیکھتے ہی کہا : " ہیلو ، میجر ! ہمارا ایندھن ختم ہو گیا تھا اس لیے یہاں اُترنا پڑا ۔ میری درخواست ہے کہ ہر کس و نـاکس کو قریب آنے کا موقع نہ دیا جائے ۔ اس جہاز کا شمار ابھی خفیہ ایجادوں میں ہوتا ہے ۔"

ہنگ نے خفیہ ایجاد کو حیران ہو کر دیکھتے ہوئے تائید میں سر ہلایا : " ٹھیک ، ٹھیک ! میں ابھی ایندھن کا ٹرک بھجواتا ہوں ۔"

" نہیں ، جنـاب ! ہمیں ایندھن کے ٹرک کی ضرورت نہیں ۔ فقط بارہ گیلن اناج کا الکحل درکار ہے ۔ خالص ہونا چاہیے ۔"

ہنگ کو یہ سن کر یقین ہو گیا کہ ہوا باز مذاق کر رہا ہے ۔ بھلا اناج کے الکحل کا ہوائی جہاز میں کیا کام ! اس نے کہا : " ارے یار ، مذاق کر رہے ہو ۔ میں نے کہا ۔"

ہوا باز نے اس کی بات کاٹ دی : " مذاق کیسا ، صاحب !

ہر ہوائی اڈے کو حکم جاری ہو چکا ہے کہ اناج کے الکحل کا ذخیرہ رکھا جائے۔ آپ لوگ اب تک سو رہے تھے کیا ؟ "

بنگ کے کان کھڑے ہوگئے۔ اس نے جلدی سے بہانہ بنایا : " ارے نہیں ، اناج کا الکحل تو ہمارے اسٹاک میں ہے ۔ لیکن بارہ گیلن ؟ ہمارا خیال تھا کہ کوئی سو ڈیڑھ سو گیلن کی ضرورت پڑے گی ۔ خیر ، میں ابھی منگواتا ہوں ۔ اتنے ، آئیے ، ذرا چائے پانی ہو جائے ۔"

نوجوان ہوا باز نے سر ہلایا : " مجھے افسوس ہے ، میجر ، جہاز چھوڑ کر جانا قطعاً منع ہے ۔"

* * *

بنگ وہاں سے جو چلا تو پھر کرنل فیدرز کے پاس آ کر ہی دم لیا ۔ اس نے جلدی جلدی کہنا شروع کیا : " جناب بڑا گڑبڑ معاملہ ہے ۔ میں نے گودام اور ہسپتال کے اسٹور کا کونا کونا چھان مارا لیکن صرف دو گیلن اناج کا الکحل دستیاب ہؤا۔ (حالانکہ اسے ایک قطرہ بھی نہ ملا تھا ۔ ڈھونڈتا تو ملتا ، ہوتا تو ڈھونڈتا ۔) ہمیں آیندہ اس کی کافی سپلائی رکھنی چاہیے ۔"

" اناج کا الکحل ؟ " کرنل نے چونک کر پوچھا ۔

" یہ جو نیا جہاز اترا ہے ، جناب ، اسے پورے بارہ گیلن اناج کا الکحل درکار ہے ۔ اس کا پائلٹ تو ایسے بات کرتا ہے جیسے اناج کا الکحل رکھنا ہر ہوائی اڈے کے فرائض میں داخل ہو ۔ ہمیں تو ، جناب ، افسرانِ بالا کی طرف سے اس قسم کا کوئی حکم آج تک ملا نہیں ۔"

" ہوں ۔" کرنل نے کہا ۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ایسا حکم

شاید آیا ہو ۔ روزانہ سینکڑوں کاغذات آتے تھے ۔ بھول چوک کا امکان تو ہمیشہ رہتا ہے ۔ یہ بڑا غضب ہؤا ۔ اگر فوراً الکحل مہیا نہ کیا گیا تو بدنامی ہے ۔ اوپر کے لوگ کہیں گے کہ فیدرز کو بس جہاز اڑانے اور لڑانے ہی آتے ہیں ، انتظام کرنا نہیں آتا ۔ یہ سوچتے سوچتے اس کے ہاتھ پیر پھول گئے: "کسی کو شہر بھیجا جائے تو کتنی دیر لگے گی ؟"

"کوئی بیس منٹ ، جناب ۔"

"تو ، میجر ، فوراً بارہ گیلن اناج کا الکحل منگا لو ۔ کسی قیمت پر بھی ملے ۔ بس دیر نہ ہونے پائے ۔ اور سنو ، پائلٹ کو میرے پاس بھیج دو ۔ میں ذرا ، میرا مطلب ہے ، اسے باتوں میں لگا لوں گا ۔"

"وہ تو ، جناب ، جہاز کے پاس سے ہل نہیں سکتا ۔ کہتا ہے ، سخت ممانعت ہے ۔"

"اچھا ، اچھا ، میں خود ہی جاتا ہوں اس کے پاس ۔"

کرنل کی گھبراہٹ دیکھ کر میجر ہنگ کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے ۔ وہ وہاں سے بگٹٹ بھاگا ۔ اِدھر کرنل نے دروازے کا رخ کیا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی ۔ اوپریٹر نے کہا : "جناب ، واشنگٹن سے فون آیا ہے ۔" یہ سن کر کرنل کا جی چاہا کہ اپنے بال نوچ لے یا فون اٹھا کر پھینک دے ۔ فون پر بات شروع ہوتے ہوتے کم از کم دس پندرہ منٹ لگ جائیں گے ۔ اتنی دیر میں تو ہوا باز معاملے کی تہ کو پہنچ جائے گا ۔ آخر اس نے اوپریٹر سے کہا : "سنو ، تمہارا عہدہ کیا ہے ؟"

"کیا ، جناب ؟ میں کارپورل ہوں ۔" وہ بولی ۔

" آج سے سارجنٹ ہو تم ۔ دیکھو ، جب تک میں واپس نہ آؤں ، واشنگٹن کو ٹالو ۔ کہہ دو میں یہیں کہیں ہوں مگر پتا نہیں چلتا کہ کہاں ہوں ۔ آیا سمجھ میں ؟ "

اوپریٹر نے جی ہاں تو کہہ دیا مگر اس کے لہجے سے مترشح تھا کہ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا ۔

* * *

ڈریکولا کو نیند آنی شروع ہی ہوئی تھی کہ کسی نے اس کا کندھا جھنجھوڑا ۔ اس نے بہت خفا ہو کر آنکھیں کھولیں تو سامنے میجر بنگ کو دیکھا ۔ اس کا غصہ کافور ہو گیا اور وہ فوراً مؤدبانہ کھڑے ہو کر بولا : " کیا حکم ہے ، جناب ؟ "

" دیکھو ، ڈریکولا ، تم سے زیادہ تیز موٹر یہاں کوئی نہیں چلاتا ۔ میری کار لے جاؤ اور فوراً سے پیشتر شہر سے بارہ گیلن اناج کا الکحل خرید لاؤ ۔ جلدی کرو ، جلدی ۔ اگر بیس منٹ میں آ گئے تو دو ہفتے کی چھٹی ۔"

چھٹی کی خبر سن کر ڈریکولا کا ذہن کام کرنے لگا ۔ اس کے چہرے پر عیاری نمودار ہوئی : " جناب ، چھٹی تو خیر کیا ، اگر میری نیویارک کی بدلی ہو جائے تو عین نوازش ہو گی ۔"

" اس بارے میں تو میں کوئی ــ" میجر نے کہنا شروع کیا ۔

" آپ کو الکحل تو فوراً چاہیے، کیوں ، جناب ؟ " ڈریکولا نے بات کاٹ کر جلدی سے کہا ۔

" اچھا ، چلو ، ہو جائے گی ۔ دفع بھی ہو ۔"

ڈریکولا نیند ، ٹھرے کا خمار اور تکان سب کچھ بھول کر بھاگا ۔ خوشی کے مارے وہ پھولا نہ سما رہا تھا ۔ آج اس کی

مراد بر آئی تھی ۔ بس بیس منٹ کی بات تھی اور پھر اس ویرانے سے چھٹکارا ! کار تھی کہ اڑی جا رہی تھی ۔ شہر نظر آنے لگا تھا ۔ یکایک ڈریکولا پر بجلی سی گری ۔ اس نے مایوس ہو کر بریک لگائے اور اپنا سر پکڑ لیا ۔ الکحل خریدنے کے لیے پیسے تو وہ جلدی اور خوشی کے مارے لانا ہی بھول گیا تھا ۔ نیویارک جو چند لمحے پہلے اسے اپنے پہلو میں نظر آ رہا تھا اچانک سات سمندر پار چلا گیا ۔ اگر وہ پیسے لینے واپس گیا تو بیس منٹ یونہی ختم ہو جائیں گے ۔

پھر ڈریکولا کے چہرے پر ایک اور رنگ آیا ۔ اس موقعے کو وہ کسی طرح ہاتھ سے نہ جانے دے گا ۔ اس نے جلدی سے کار موڑی اور ایک کچی سڑک پر اسے چلاتا ہؤا اس بوزہ خانے پہنچا جہاں رات انھوں نے ٹھرا اور بوزہ پیا تھا ۔ کلال سے ڈریکولا کی شناسائی تھی اور ادھار ملنے کی پوری توقع تھی ۔ وہاں سے الاچ کا الکحل ملنا تو محال تھا لیکن ٹھرا ہو یا الکحل ، ڈریکولا کو اپنے حلوے مانڈے سے کام تھا ۔ ہوائی اڈے پر کسی کو کیا پتا چلے گا کہ ٹھرا ہے ۔ فوراً جہاز کے انجن میں انڈیل دیا جائے گا ۔ بعد میں جہاز اڑے یا گرے یا بھسم ہو جائے ، اسے کیا ! وہ تو ہر قیمت پر نیویارک جانا چاہتا تھا ۔

* * *

ہوا باز نے کرنل اور میجر کا شکریہ ادا کیا : " آپ کا انتظام بہت اچھا ہے ، شکریہ ۔" اس کے لہجے میں ہلکا سا طنز تھا مگر کرنل اور میجر نے اسے محسوس نہ کیا ۔ وہ خوش تھے کہ مصیبت دور ہوئی ۔

ہوا باز جہاز کی طرف چل دیا ۔ اس کی چال اکڑی اکڑی سی تھی ۔ جہاز کے پیٹ میں ایک دریچہ کھلا اور اس کے اندر جاتے ہی بند ہوگیا ۔ اندر جب وہ کنٹرول روم میں پہنچا تو وہاں عجیب و غریب آلات کے درمیان ایک بندر نما ہستی بیٹھی تھی ۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہوا باز نے اپنا انسانی سر اتار ڈالا اور پھر انسانی جسم بھی اس طرح اتار دیا جیسے کوئی کپڑے اتارے ۔ اس انسانی خول کے اندر ایک اور بندر نما ہستی چھپی ہوئی تھی ۔ اتنے میں جہاز حرکت میں آ چکا تھا ۔

" کوئی دقت تو نہیں ہوئی ، زیرڈ ؟ " جہاز چلانے والے نے اپنی زبان میں پوچھا ۔

" نہیں ، انھیں پتا بھی نہ چلا کہ میں کون ہوں ۔ میں نے تم سے پہلے بھی کئی مرتبہ کہا تھا کہ اس دنیا کے لوگ بالکل بدھو اور کم ترقی یافتہ معلوم ہوتے ہیں ۔ آج تصدیق بھی ہو گئی ۔"

اندر سے جہاز کا فرش بالکل شفاف تھا ۔ سطحِ زمین تیزی سے دور ہٹتی نظر آ رہی تھی ، جیسے نیچے گرتی جا رہی ہو ۔ جب ان دونوں بندر نما ہستیوں نے رفتار ، اونچائی ، ایندھن کے خرچ وغیرہ کی نشان دہی کے آلات پر بغور نظر ڈالی تو متحیر ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے ۔ زیرڈ نے جلدی سے کہا : " انھوں نے ہمیں پہچان لیا ۔ جبھی تو اناج کے الکحل میں انھوں نے کچھ ملا دیا ہے ۔"

جہاز چلانے والے نے کہا : " اور دیکھنا ، یہ ایندھن کس غضب کا ہے ۔ میں جہاز کے انجن میں قلیل ترین مقدار بھیج

رہا ہوں لیکن رفتار کا یہ عالم ہے کہ جہاز قابو میں ہی نہیں آتا ۔"

زیرڈ نے آہ بھری اور بولا : " اس کا مطلب ہے کہ ان کا ایندھن ہمارے ایندھن سے بہت اعلیٰ ہے ۔ ہم سمجھتے تھے کہ یہ لوگ کم ترقی یافتہ ہیں اور ان کی دنیا پر قبضہ کرنا بہت آسان ثابت ہوگا ، لیکن معاملہ برعکس نکلا ۔ ہم انہیں تباہ نہیں کر سکیں گے ۔"

جہاز چلانے والے نے کہا : " یہی تو افسوس ہے ۔ لیکن جس لطیف پیرائے میں انھوں نے ہمیں خبردار کیا ہے میں اس کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ اب اپنی نوآبادی کے لیے ہمیں کوئی اور سیارہ تلاش کرنا پڑے گا ۔"

* * *

ڈریکولا نے اس عجیب جہاز کو دور نیلے اُفق پر ڈگمگاتے اور جھونک کھاتے دیکھا حتیٰ کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا ۔ اس نے حقارت سے کہا : " اناڑی پائلٹ ہے ۔ رنگروٹ ہوگا ۔ جہاز بھی سیدھا نہیں اُڑایا جاتا ۔" پھر کچھ سوچ کر بولا : " اب میں سمجھا ! ابے کہیں انجن میں سے ٹھرا نکال کر تو نہیں پی لیا ۔" اور دوبارہ آرام کرسی پر لیٹ کر ، ٹوپی آنکھوں پر دھرے ، اُونگھنے لگا ۔ اس کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ اس کے ٹھرے نے کتنی بڑی قسمتوں کا فیصلہ کیا ہے ۔

* * *

سارجنٹ ڈان نے دوربین نیچے رکھ کر آہ بھری اور برن

ہلڈ سے کہنے لگی : " ہائے ، کتنا خوبصورت اور صاف ستھرا ہوا باز تھا ۔ کاش اس کا تبادلہ یہاں کا ہو جائے ۔ میں تو اس اڈے کے مردوں سے تنگ آ گئی ہوں ۔ بالکل جنگلی ہیں کمبخت ۔ اتنے ندیدے مرد میں نے نہیں دیکھے ۔ ان کے مقابلے میں اس نئے جہاز کا ہوا باز واقعی انسان معلوم ہوتا تھا ۔"

برن ہلڈ نے تائید کی ۔ وہ بھی دور بین سے اسے دیکھ چکی تھی : " شکل صورت سے شریف اور شائستہ آدمی لگتا تھا ۔"

* * *

کرنل فیدرز اپنے دفتر پہنچا تو فون کو چونگے سے باہر دیکھ کر اسے واشنگٹن کا خیال آیا ۔ میجر بنگ اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا ۔ کرنل نے فون اٹھایا اور زور سے کہا : "فیدرز ۔" پھر اس نے سننا شروع کیا اور ایک دو دفعہ " جی ، جی" بھی کہا ۔ آہستہ آہستہ اس کے چہرے پر حقارت ، نفرت اور غصے کے آثار نمایاں ہو گئے جیسے وہ کوئی بہت ہی احمقانہ بات سن رہا ہو ۔ اس نے فون واپس رکھ کر تھکی تھکی نظروں سے بنگ کی طرف دیکھا : " وزارتِ دفاع سے جرنل صاحب بول رہے تھے ۔ آج ان کا دماغ چل گیا ہے ۔"

" خیریت تو ہے ، جناب ؟ " بنگ نے مؤدبانہ دریافت کیا ۔

" کہتے ہیں کہ ادھر ایک اڑن طشتری اڑتی دیکھی گئی ہے ، اس لیے اس کی تاک میں رہو ۔ کیا بچوں کی سی باتیں کرتے ہیں ۔ اڑن طشتریاں بھی کہیں ہوتی ہیں ۔ کل کو کہیں گے کہ مریخیوں نے حملہ کر دیا ہے ۔ خیر ، برائے نام عمل تو اس حکم پر کرنا ہی پڑے گا ۔ تم ذرا کنٹرول ٹاور کو مطلع کر دو ۔"

پہرے دار

آرتھر - سی - کلارک

اس دفعہ جب چودھویں کا چاند نکلے تو ذرا غور سے اس کے دائیں کنارے کو دیکھیے گا - دو بجے کے قریب آپ کو ایک چھوٹا سا ، تاریک بیضوی دھبا نظر آئے گا - اگر آدمی کی بینائی ٹھیک ٹھاک ہو تو اسے ڈھونڈنا مشکل نہیں - یہ دھبا چاند کے بہترین میدانوں میں سے ایک ہے اور اس کا نام " بحرِ بحرانات " ہے - اس کا قطر تین سو میل ہے اور اسے چاروں طرف سے عالی شان پہاڑوں نے گھیر رکھا ہے - ۱۹۹۶ء کی گرمیوں کا ذکر ہے کہ ہم نے اس میدان میں قدم رکھا - ہم سے پہلے کسی نے اسے دیکھا بھالا نہ تھا -

ہماری مہم خاصی بڑی تھی - ہمارے پاس دو تو بھاری باربردار راکٹ تھے جو صدر قمری اڈے سے ہمارا ساز و سامان اور رسد لایا کرتے تھے - یہ اڈا ہم سے پانچ سو میل دور تھا - ان راکٹوں کے علاوہ تین چھوٹے راکٹ بھی تھے - یہ اس وقت کام کرتے تھے جب کسی فطری رکاوٹ کی وجہ سے زمین پر چلنے والی گاڑیوں کا راستا رک جاتا تھا - خوش قسمتی سے بحرِ بحرانات کا بیشتر حصہ بالکل سپاٹ ہے - اس میں وہ بڑی بڑی دراڑیں تو کہیں ہیں ہی نہیں جو چاند کے دوسرے حصوں میں اتنی

عام ہیں اور اتنی خطرناک ثابت ہوتی ہیں ، اور جو چند ایک پہاڑ اور کریٹر ہیں بھی تو بہت معمولی سے ۔ جہاں تک ہمارا اندازہ تھا ہمارے طاقت ور کیٹرپلر ٹریکٹروں کو اِدھر اُدھر آنے جانے میں کوئی دقت نہ ہونی چاہیے تھی ۔

میں ماہرِ ارضیات تھا ۔ یا آپ کا دل چاہے تو ماہرِ قمریات کہہ لیجیے ۔ اور مجھے اپنے ماتحتوں کے ہمراہ میدان کے جنوبی حصے کا جائزہ لینا تھا ۔ ہم نے ہفتے بھر میں سو میل کا فاصلہ طے کر لیا ۔ ہم پہاڑوں کے دامن میں چلے جا رہے تھے ۔ آج سے کروڑوں سال پہلے یہاں پانی ہی پانی تھا ۔ جب زمین پر زندگی نئی نئی وجود میں آئی تھی تو چاند پر اس کے آثار معدوم ہو چلے تھے ۔ یہاں پانی ان مہیب چٹانوں سے پرے اور پرے ہٹتا جا رہا تھا ۔ آخر سمندر سوکھ گیا ۔ جہاں کسی زمانے میں آدھے میل گہرا سمندر تھا وہاں اب لق و دق میدان پڑا تھا اور اس پالے کے سوا ، جو کبھی کبھار ایسے غاروں میں نظر آ جاتا جن میں دھوپ کا کبھی گزر نہ ہوتا ، نمی کا نام بھی باقی نہ رہا تھا ۔

ہم سست رفتار قمری صبح کو سفر پر روانہ ہوئے تھے اور ہمیں پتا تھا کہ سورج اب ایک ہفتے بعد غروب ہو گا ۔ چاند کے روز و شب ارضی روز و شب سے کوئی مطابقت نہیں رکھتے ۔ ہر دو تین گھنٹے بعد ہم دلچسپ معدنیات تلاش کرنے یا مستقبل کے مسافروں کی رہنمائی کے لیے نشان نصب کرنے کی غرض سے خلائی لباس پہن کر اپنی گاڑی سے اتر پڑتے ۔ ہمارا مقررہ کام خاصا بے رنگ تھا ۔ حقیقت یہ ہے کہ قمری سیاحت ایسے واقعات سے

بالکل خالی ہوتی ہے جو خطرناک ہوں یا جن سے خون کی گردش تیز ہو جاتی ہو ۔ ہم بڑے مزے سے مہینہ بھر اپنے ہوا بند ٹریکٹروں میں رہ سکتے تھے ۔ اگر کوئی خطرہ درپیش ہوتا تو ریڈیو کے ذریعے مدد طلب کر لیتے ۔

میں نے ابھی ذکر کیا کہ قمری سیاحت غیر دلچسپ کام ہے ۔ لیکن اس بات کو بالکل درست متصور نہ کرنا چاہیے ۔ ان محیرالعقول کوہساروں سے کسی کی طبیعت اُچاٹ نہیں ہو سکتی ۔ جب ہم اس گم گشتہ سمندر کی کسی راس یا کھاڑی کے پاس پہنچتے تو ہمیں بالکل پتا نہ ہوتا کہ سامنے کا موڑ طے کرنے کے بعد ہماری نگاہیں کسی نئے عجوبے سے دوچار ہونے والی ہیں ۔ بحرِ بحرانات کا تمام جنوبی علاقہ ایک عظیم‌الشان ڈیلٹا ہے ۔ جب چاند جوان تھا اور اِرد گرد کے پہاڑوں پر موسلا دھار مینہ برستا تھا تو متعدد دریا اِرد گرد کی گہری وادیوں اور تنگ گھاٹیوں سے گزر کر پُر خروش سمندر میں گرا کرتے تھے ۔ ہر قدیم وادی ، جو ان دریاؤں کی گزرگاہ رہ چکی تھی ، اپنی جگہ ایک دعوت تھی ، ایک للکار تھی کہ : آؤ ، مجھ میں سے ہو کر ان نامعلوم پہاڑوں تک جا پہنچو جہاں آج تک کسی انسان کا گزر نہیں ہوا ۔ لیکن ہمیں ابھی بہت کام کرنا تھا اور ہم حسرت سے ان بلندیوں کو دیکھ کر رہ جاتے تھے جنھیں سر کرنے کی نیک نامی ہمارے بعد اِدھر سے گزرنے والوں کے حصے میں آنی تھی ۔

ہم اس مہم پر ارضی وقت کی پیروی کر رہے تھے ۔ یعنی جب ہمارے خیال میں رات کے دس بج جاتے تو ریڈیو کے ذریعے صدر اڈے کو خیریت کا پیغام بھیجا جاتا ۔ اس کے بعد ہم لمبی

تان کر سو جاتے ۔ ٹریکٹر کے باہر قیامت کی دھوپ پھیلی رہتی اور چٹانیں جلتی اور پھیلتی رہتیں ۔ ٹھیک آٹھ گھنٹے بعد ہم سو کر اٹھتے۔ باہر وہی دھوپ اور گرمی کا سماں ہوتا ۔ ہم میں سے کوئی آدمی ناشتہ تیار کرتا ۔ کچھ لوگ داڑھی مونڈتے ۔ کوئی ریڈیو پر دنیا کا پروگرام سننے لگتا ۔ جب بھنے ہوئے گوشت کی خوشبو ٹریکٹر میں پھیلتی تو کچھ دیر کے لیے ایسا محسوس ہوتا جیسے ہم چاند پر نہیں دنیا میں ، اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں ۔ ہر چیز معمول کے اس قدر مطابق اور گھریلو نظر آتی تھی ۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وزن کم ہونے کا احساس تھا اور چیزیں اتنے آہستہ آہستہ گرتی تھیں جیسے اونگھ رہی ہوں ۔

اس دن ناشتہ تیار کرنے کی میری باری تھی ۔ اتنے سال گزر جانے کے باوجود وہ لمحہ مجھے اب تک واضح طور پر یاد ہے ۔ ریڈیو پر اسی وقت میری ایک پسندیدہ پرانی دھن بجی تھی ۔ ہمارا ڈرائیور خلائی لباس پہن کر باہر کھڑا ٹریکٹر کے بھاری پہیوں کا معائنہ کر رہا تھا ۔ میرا اسسٹنٹ ، لوئیس گارنیٹ ، کنٹرول پینل کے پاس بیٹھا کل کے روزنامچے میں کچھ اندراج کرنے میں مشغول تھا ۔

فرائی پین کے پاس ، گوشت کے بھن کر لال ہونے کے انتظار میں ، کھڑے کھڑے میں بے خیالی میں کھڑکی سے ان دیوار نما پہاڑوں کو دیکھنے لگا جو تمام جنوبی افق پر چھائے ہوئے تھے۔ وہ ٹریکٹر سے صرف ایک دو میل دور معلوم ہو رہے تھے لیکن مجھے پتا تھا کہ قریب ترین پہاڑ بھی بیس میل سے کم دور نہیں ۔ چاند پر ، ظاہر ہے ، دوری کی بنا پر تفاصیل میں کوئی

کمی بیشی واقع نہیں ہوتی ۔ ورنہ دنیا میں تو دور کا ہر منظر دھندلا اور کچھ کچھ نیلگوں اور اصل سے مختلف نظر آیا کرتا ہے ۔

یہ پہاڑ دس ہزار فٹ بلند تھے اور میدان میں فصیلوں کی طرح سیدھے کھڑے تھے جیسے مدتوں پہلے کسی زمین دوز فساد لاوا نے انہیں اوپر اچھال دیا ہو ۔ چونکہ چاند بہت چھوٹا سا کرہ ہے اس لیے جہاں میں کھڑا تھا وہاں سے اُفق صرف دو میل دور تھا اور میدان کی سطح کی گولائی کی وجہ سے قریب ترین پہاڑوں کے نچلے حصے نظر نہ آ رہے تھے ۔

میں نے نظر اُٹھا کر ان چوٹیوں کو دیکھا جنہیں ابھی تک انسان نے سر نہ کیا تھا ۔ کسی بہت قدیم زمانے میں ، جب دنیا پر زندگی کے ابتدائی آثار بھی نمایاں نہ ہوئے تھے ، ان دیو پیکر چوٹیوں نے چاند کے سمندروں کو خشک ہوتے دیکھا تھا ۔ ان بلند فصیلوں پر سورج کی روشنی کے انعکاس سے اس درجہ چکا چوند تھی کہ آنکھوں میں اندھیرا آ جاتا تھا ، لیکن ان فصیلوں سے ذرا اوپر کالے سیاہ آسمان میں تارے ٹمٹماہٹ کے بغیر چمک رہے تھے ۔

میں اِدھر سے نظر ہٹانے ہی والا تھا کہ مغرب میں سمندر میں دور تک پھیلی ہوئی ایک عظیم الشان راس کی چوٹی پر فلزاتی چمک دکھائی دی ۔ ایسا لگا جیسے کوئی روشن ستارہ چوٹی کے دنتیلے ہیر پھیر میں اُلجھ کر رہ گیا ہو ۔ میں نے سوچا کہ شاید کوئی ہموار اور چکنی چٹان دھوپ کو میری طرف منعکس کر رہی ہے ۔ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ۔ دنیا والوں کو کبھی کبھار چاند کے بعض کوہستانی سلسلوں پر نیلگوں سفید بھڑک کا جال

بچھا نظر آتا ہے۔دھوپ اور چکنی ، آئینہ آسا چٹانوں کی سیمیا - بہرحال ، میرے دل میں یہ تجسس جاگا کہ دیکھوں تو سہی ، آخر کس قسم کی چٹان وہاں اس طرح جگر جگر کر رہی ہے - میں باورچی خانے سے نکل کر اوپر کے کمرے میں گیا جہاں ہماری چار انچ لمبی دور بین نصب تھی - میں نے دور بین کو مغرب کی طرف گھمایا -

دور بین سے دیکھنے کے بعد میرا تجسس اور بڑھ گیا - دور بین میں پہاڑوں کی چوٹیاں ، بالکل صاف اور واضح ، ایسی نظر آ رہی تھیں جیسے صرف آدھ میل پر ہوں لیکن وہ چیز ، جو دھوپ کو منعکس کر رہی تھی ، اتنی چھوٹی تھی کہ اس کے بارے میں یقین سے کچھ کہنا مشکل تھا - جس چوٹی پر وہ واقع تھی وہ عجیب طرح سے سپاٹ تھی - میں دیر تک ، آنکھوں پر زور ڈال کر ، اس جگمگاتے ہوئے معمے کو دیکھتا رہا - اتنے میں باورچی خانے سے گوشت جلنے کی بو میری ناک میں آئی -

اس صبح ہم سارے راستے بحث کرتے رہے - حد تو یہ ہے کہ جب خلائی لباس پہن کر باہر دیکھ بھال کرنے نکلے تو بحث ریڈیو پر جاری رہی - میرے ساتھیوں کا دعویٰ تھا کہ چاند پر ذی عقل زندگی کی کوئی شکل کبھی موجود نہ تھی - بس چند ایک بہت ہی ابتدائی قسم کے پودوں کے سوا کسی جاندار چیز نے وہاں جنم نہ لیا تھا - ان دلائل و حقائق سے تو میں بھی خوب آشنا تھا لیکن کبھی کبھار ایسا موقع آ جاتا ہے کہ سائنس دان کو کسی بظاہر احمقانہ بات کو سچ ثابت کرنے کی دھن میں تمام حقیقتوں کو بالائے طاق رکھنا پڑتا ہے -

آخر میں نے کہا : " سنو بھئی ، میں تو اس چوٹی پر جاؤں گا - اور کچھ نہیں تو میرے ذہن کی تسلی ہو جائے گی - پہاڑ بارہ ہزار فٹ سے کچھ کم اونچا ہے — ارضی ثقل کے حساب سے اس کی اونچائی دو ہزار فٹ بنتی ہے — اور میں بیس گھنٹے میں اس پر چڑھ اتر سکتا ہوں - ویسے بھی میں ہمیشہ ان پہاڑوں پر چڑھنا چاہتا تھا - آج مجھے ایک معقول بہانہ مل گیا ہے -"

" یا تو تمہاری گردن ٹوٹ جائے گی " ، گارنیٹ نے کہا ، " یا اڈے پر واپس پہنچ کر تمہارا وہ مذاق اڑے گا کہ یاد ہی کرو گے - اور اس چوٹی کا نام تو شاید " ولسن کی حماقت " رکھ دیا جائے -"

میں نے جواب دیا : " میری گردن نہیں ٹوٹے گی - بھلا پیکو اور ہیلی کون نامی چوٹیوں کو سب سے پہلے کس نے سر کیا تھا ؟"

" اس وقت ، جناب ، آپ نوجوان بھی تو تھے -" گارنیٹ نے نرمی سے کہا -

" اسی لیے میں اب اس چوٹی پر چڑھنے کا زیادہ خواہش مند ہوں -" میں نے کہا -

اس عظیم راس کے بالکل نزدیک پہنچ جانے کے بعد ہم رات کو جلدی سو گئے - طے یہ پایا تھا کہ گارنیٹ صبح میرے ساتھ جائے گا کیونکہ اسے کوہ پیمائی کا خاصا تجربہ تھا اور ڈارئیوز ٹریکٹر کے ساتھ رہے گا - اور یہ بات ڈرائیور کے لیے بہت تسلی بخش تھی - اسے پہاڑوں سے ایسی دلچسپی نہ تھی -

سرسری طور پر دیکھا جاتا تو یہ لگتا کہ ان چٹانوں پر چڑھنا ممکن نہیں - لیکن جو آدمی کوہ پیمائی کی کچھ سوجھ بوجھ

رکھتا ہو ، اس کے لیے چاند پر ، جہاں ہر چیز کا وزن ارضی وزن سے چھ گنا کم ہو جاتا ہے ، پہاڑ پر چڑھنا مشکل کام نہیں -

ہم نے پہلا قیام ایک بہت چوڑے چھجے پر کیا جو میدان سے چار ہزار فٹ اونچا تھا - چڑھتے ہوئے کوئی دقت پیش نہ آئی تھی لیکن اس خلافِ معمول مشقت سے میں تھک کر چور ہو گیا تھا اور سستانا چاہتا تھا - دور ، نیچے ، پہاڑ کے دامن میں ٹریکٹر کسی ننھے منے فلزاتی مکوڑے کی طرح کھڑا تھا - ہم نے ریڈیو کے ذریعے ڈرائیور سے رابطہ قائم کیا اور اسے اپنی خیریت کی اطلاع دی -

جوں جوں ہم اوپر چڑھتے گئے افق چوڑے سے چوڑا ہوتا گیا - میدان کا خاصا بڑا حصہ ہمیں نظر آنے لگا - اب ان پہاڑوں کی چوٹیاں بھی ہماری نظروں کے سامنے تھیں جو سو میل دور دوسرے کنارے پر واقع تھے- چاند کا کوئی میدان بحرِ بحرانات کی طرح ہموار نہیں اور دو میل کی بلندی سے اسے دیکھ کر بعض دفعہ واقعی سچ مچ کے سمندر کا دھوکا ہوتا تھا -

ہماری منزلِ مقصود ابھی نظروں سے اوجھل تھی - ہم دنیا کی مدد سے اپنی سمت کا تعین کر کے ، نقشہ دیکھ دیکھ کر چڑھتے جا رہے تھے- دنیا ایک عظیم سیمیں ہلال کی شکل میں ، مشرق میں افق سے ذرا اوپر ، چمک رہی تھی - چاند سے دنیا آسمان میں ہمیشہ ایک ہی جگہ رکی نظر آتی ہے - سورج اور ستارے گھوم گھوم کر آتے جاتے رہتے ہیں لیکن دنیا اپنی جگہ سے نہیں ٹلتی - بس گھٹتی بڑھتی رہتی ہے -

خلائی لباسوں میں چونکہ باہر کی گرمی سردی سے بچنے کا

انتظام ہوتا ہے اس لیے ہمیں سورج کی تپش محسوس نہ ہو رہی تھی - چڑھائی کے دوران ہم نے بہت کم گفتگو کی ، بس ایک دوسرے کو مشورہ دیتے رہے - مجھے پتا نہیں گارنیٹ کیا سوچ رہا تھا - یہی سوچ رہا ہوگا کہ اس مہم میں اور دیوانگی میں کیا فرق ہے - اس سے تھوڑا سا اتفاق تو مجھے بھی تھا لیکن کوہ پیمائی کے لطف ، وسیع اور عریض ہوتے ہوئے منظر کی دلکشی اور اس خیال کے سامنے کہ اس سے پہلے اس پہاڑ پر کسی آدم‌زاد کا گزر نہ ہؤا تھا مہم کی افادیت فکرِ فضول معلوم ہوتی تھی -

کل تیس میل دور سے دوربین کی مدد سے میں نے جس چٹان کا معائنہ کیا تھا اس کے سائے میں پہنچ کر مجھے کوئی خاص اہتزاز محسوس نہ ہؤا - وہ دیوار کی طرح سیدھی تھی اور جہاں ہم کھڑے تھے وہاں سے پچاس فٹ دور اس کی سپاٹ سطح پر وہ چیز تھی جو مجھے اتنی دور سے وہاں کھینچ لائی تھی - وہ چیز نہ جانے کیا تھی - عین ممکن تھا کہ کسی نہایت چکنی سل کے سوا کچھ نہ ہو -

اس دیوار جیسی بلندی پر ہاتھ پاؤں ٹکانے کی کوئی جگہ نہ تھی - ہمیں لوہے کی کمند سے کام لینا پڑا - پہلی دو دفعہ تو وہ اٹکی نہیں مگر تیسری دفعہ ایسی پھنسی کہ ہلائے نہ ہلی - مجھے پتا تھا کہ پہلے گارنیٹ اوپر جانا چاہتا ہے لیکن میں نے سر کے اشارے سے اسے جتا دیا کہ میرا اس شرف سے کنارہ کش ہونے کا کوئی ارادہ نہیں - چاند پر وزن کم ہونے کی وجہ سے ایسی معمولی چڑھائی کوئی مشکل پیش نہیں کرتی - میں جلد ہی اوپر جا پہنچا -

اس وقت تک مجھے تقریباً یہ یقین تھا کہ وہاں کوئی عجیب یا غیر معمولی چیز دیکھنے میں نہ آئے گی ۔ مگر دل میں ایک مبہم سی اُمید تھی جو اس یقین کی نفی کر رہی تھی اور یہی اُمید مجھے وہاں لے آئی تھی ۔ اور اب یہ اُمید یا توقع عجب انداز میں پوری ہو گئی ۔

میں ایک سپاٹ چوٹی پر کھڑا تھا جو تقریباً سو فٹ لمبی اور چوڑی تھی ۔ کسی زمانے میں اس کی سطح بالکل ہموار ۔ بلکہ ضرورت سے زیادہ ہموار ۔ ہو گی لیکن لاکھوں برس سے مسلسل شہاب باری نے اس میں بے شمار چھوٹے چھوٹے گڑھے ڈال دیے تھے ۔ اس چوٹی کے مرکز میں ایک چمکیلی اہرام نما چیز بنی ہوئی تھی ۔ وہ آدمی کے قد سے دوگنی اونچی تھی اور چٹان میں اس طرح نصب تھی جیسے کوئی عظیم‌الشان ، صد پہلو ہیرا ہو ۔

پہلے چند لمحوں میں میرا ذہن بالکل خالی رہا ۔ پھر میرا دل ایک عجیب ، بیان نہ ہو سکنے والی خوشی سے کھل اٹھا ۔ مجھے چاند سے عشق تھا اور میں یہ معلوم کر کے پھولا نہ سما رہا تھا کہ کسی زمانے میں چاند بھی متمدن اور ترقی یافتہ باشندوں سے آباد تھا ۔ سائنس دانوں ، سیاحوں اور محققوں کا یہ خیال کہ چاند پر کائی کے سوا ، اور وہ بھی کہیں کہیں نظر آتی تھی ، کچھ موجود نہ تھا غلط ثابت ہوگیا تھا ۔ اور اس انکشاف کا سہرا میرے سر تھا ۔

جب میرے اوسان بجا ہو گئے تو میں نے ، صورتِ حال کو سمجھنے کی غرض سے ، دل ہی دل میں سوال پوچھنے شروع کیے ۔ کیا یہ اہرام نما چیز عام عمارت تھی یا کوئی معبد تھا ؟

یا کوئی ایسی چیز جس کے لیے انسانی زبانوں میں کوئی لفظ نہیں ؟ اسے آخر اس قدر ناقابل گزر اور دور افتادہ جگہ پر کیوں تعمیر کیا گیا تھا ؟ شاید یہ کوئی معبد تھا ۔ اور میرے ذہن میں آج سے کروڑوں سال پہلے کی تصویر گھوم گئی کہ پہاڑوں کے دامن میں سمندر سوکھتے جا رہے ہیں ، زندگی خطرے میں ہے اور عجیب و غریب پروہت اس معبد کے سامنے کھڑے اپنے روٹھے ہوئے دیوتاؤں سے آہ و زاری کرتے ہوئے دعا مانگ رہے ہیں ۔

میں دس بارہ قدم آگے بڑھا لیکن نہ جانے کس چیز نے مجھے اس اہرام کے بہت قریب جانے سے باز رکھا ۔ میں کھڑا غور کرتا رہا کہ وہ کیسا تمدن ہوگا جس نے پہاڑ کی چوٹی کو مسطح کر کے اس شیشہ آسا عجوبے کو تعمیر کیا تھا ۔ تمدن کی وہ کون سی اسٹیج ہو گی جس میں ایسے کارنامے ممکن ہو جاتے ہیں ؟

اور پھر یکایک مجھے ایک ایسی چیز نظر آئی کہ میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے ۔ وہ چیز اتنی معمولی اور غیر نمایاں تھی کہ بہت سے لوگ تو شاید اسے دیکھ بھی نہ پاتے ۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ شہاب باری سے چوٹی کی سطح پر ، جو کبھی کف دست کی طرح ہموار ہو گی ، بے شمار گڑھے پڑ گئے تھے ۔ اس کے علاوہ ، چاند پر چونکہ کرۂ ہوا نہیں ، کائناتی گرد کی انچوں موٹی تہ وہاں بچھی ہوئی تھی ۔ لیکن اہرام کے گرد کافی دور دور تک شہابی گڑھوں یا گرد کا نام نشان تک نہ تھا ۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی نے کوئی طلسمی حصار کھینچ کر اہرام کو شہاب باری اور خلاؤں میں اڑنے والے گرد و غبار کے آشوب سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا ہے ۔ اہرام کے گرد ایک

غیر مرئی دیوار کھنچی ہوئی تھی ۔

میرے اِیر فون میں کوئی چیخ رہا تھا ۔ مجھے احساس ہؤا کہ گارنیٹ کچھ دیر سے مجھ سے کوئی بات کہہ رہا ہے ۔ میں لڑکھڑاتا ہؤا چٹان کے کنارے تک گیا ۔ وہاں کھڑے ہو کر میں نے اسے اوپر آنے کا اشارہ کیا ۔ مجھے اپنی زبان پر قابو نہ رہا تھا ، اس لیے میں نے اس سے بات نہ کی ۔ کنارے سے واپس آ کر میں نے ایک سنگریزہ اٹھایا اور آہستہ سے اہرام کی طرف اچھال دیا ۔ اگر وہ سنگریزہ غیر مرئی غلاف سے ٹکرا کر بھک سے غائب ہو جاتا تو مجھے ذرا بھی تعجب نہ ہوتا ۔ مگر ایسی کوئی بات نہ ہوئی ۔ وہ بظاہر کسی چکنے نیم کُرے سے ٹکرایا اور پھسلتا ہؤا زمین پر گر گیا ۔

یوں مجھ پر یہ انکشاف ہؤا کہ میں جس چیز کو دیکھ رہا تھا وہ عمارت نہ تھی بلکہ ایسی مشین تھی جو عجیب و غریب قوتوں کے سہارے ابد کو للکار رہی تھی ۔ میں نے سوچا کہ شاید یہ انجانی قوتیں تابکار ہوں ۔ اگر ان سے واقعی تابکار شعاعیں خارج ہوتی ہیں تو مجھے اپنے آپ کو نیم مردہ تصور کرنا چاہیے کہ تابکاری کے مہلک وار کا کوئی توڑ نہیں ۔

میں نے مڑ کر گارنیٹ کی طرف دیکھا جو اوپر آ چکا تھا اور اب میرے پاس کھڑا ، میری ذات سے بالکل بے خبر ، ٹکٹکی باندھے شیشے کے اہرام کو دیکھ رہا تھا ۔ میں ٹہلتا ہؤا پرے چلا گیا ۔ میں نے نیچے پھیلے ہوئے لق و دق اور بے برگ و گیاہ میدان پر نظر دوڑائی اور دنیا کے ہلال کی طرف دیکھا اور سوچنے لگا کہ جب ان نامعلوم معماروں نے اس اہرام کی بِنا ڈالی

ہو گی تو یہ خاک دان ، جو بنی نوع انسانی کا گہوارہ ہے ، کس دور سے گزر رہا ہو گا ۔ کیا یہ اس وقت کی بات ہے جب ساری دنیا جنگلوں سے پٹی پڑی تھی یا اس وقت کی جب زندگی کے اولیں آثار ریتلے ساحلوں پر کانپ رہے تھے یا اس سے بھی پہلے کی ؟

سوچتے سوچتے ایک عجیب سا خیال میرے ذہن میں آیا ۔ میں نہ جانے کیوں یہ فرض کر بیٹھا تھا کہ یہ بلور پارہ کسی ایسی مخلوق نے بنایا تھا جو کروڑوں سال پہلے چاند پر آباد تھی ۔ لیکن اب میرے یقین نے پلٹا کھایا اور میں نے دل ہی دل میں تسلیم کیا کہ درحقیقت میری طرح وہ اہرام بھی چاند پر اجنبی محض تھا ۔ اور اس کا ثبوت یہ تھا کہ ہم بیس برس سے چاند کی خاک چھانتے پھر رہے تھے اور ہمیں کسی قمری تمدن کا ذرہ برابر نشان بھی دستیاب نہ ہؤا تھا ۔ اس اہرام کے بنانے والے اگر چاند کی ذریات میں سے ہوتے تو ڈھونڈنے والے گاہے گاہے ان کی باقیات سے دوچار ہوتے رہتے ۔ مجھے ایسا لگا جیسے وہ اہرام میرے کان میں کہہ رہا ہو : " معاف کرنا ، یہاں میں بھی غریب الدیار ہوں ۔"

* * *

اس غیر مرئی غلاف کو توڑ کر بلوریں دیواروں کے پیچھے چھپی ہوئی مشین تک پہنچنے میں ہمارے بیس برس صرف ہوئے ۔ جب ہمارا بس نہ چلا تو ہم نے جوہری طاقت سے کام لیا ۔ اب وہ حسین جگمگاتا اہرام اس پہاڑ کی چوٹی پر ٹکڑے ٹکڑے ہؤا پڑا ہے ۔

اور اس کے باوجود ہمیں اس مشین کا کچھ پتا نہ چل سکا جو اہرام میں پنہاں تھی ۔ شاید اسے مشین کہنا ہی غلط ہے ۔ یہ سارا طلسم ایک ایسی ٹیکنالوجی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے جو ہمارے فہم سے بالاتر ہے ۔ اس اہرام کی ساخت اور کارگزاری میں ضرور اس ٹیکنالوجی کا دخل ہے جو طبیعات سے ماورا قوتوں سے تعلق رکھتی ہے ۔

یہ اسرار اب اور بھی پیچیدہ ہو گیا ہے کیونکہ اس بیس برس کے عرصے میں انسان کے قدم باقی ماندہ سیاروں پر بھی پہنچ گئے اور حتمی طور پر یہ ثابت ہوگیا کہ نظام شمسی میں ہمارے چھوٹے سے کرۂ ارض کے سوا کسی سیارے پر ذی عقل حیات نے جنم نہیں لیا ۔ لہٰذا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس اہرام کو بنایا کس نے جس کے اِرد گرد کائناتی گرد کی انچوں موٹی جمی ہوئی تہ اس کی قدامت کی شاہد ہے — اور قدامت بھی ایسی جس کا تصور کرنے سے سر گھوم جائے ۔

یہ اہرام اس امر کا گواہ ہے کہ آج سے بہت پہلے ، کائنات کے بچپن کے دنوں میں ، کسی مخلوق کا چاند سے گزر ہؤا تھا اور وہ کسی خاص مقصد کے تحت یہ بلوریں مشین وہاں نصب کر گئی تھی ۔ اس وقت سے اب تک یہ مشین اپنا کام انجام دیتی رہی تھی ۔ پھر ہم نے اسے چکنا چور کر دیا ۔ وہ کیا کام کر رہی تھی ؟ اجازت ہو تو ایک حل پیش کروں ؟

کہکشاں کے مرکز کے گرد اربوں ستارے گردش کر رہے ہیں ۔ یقیناً آج سے کروڑوں سال پہلے دوسرے عالموں پر دوسری مخلوقات ارتقا کی وہ تمام منزلیں طے کر چکی ہوں گی جو ہم نے

طے کی ہیں اور عجب نہیں کہ وہ ہم سے بہت آگے نکل گئی ہوں ۔ اس حیرت انگیز ترقی کے باوجود صبحِ آفرینش میں وہ لوگ کتنے تنہا ہوں گے کہ کہکشاں کے اس سرے سے اس سرے تک — کھربوں اور کھربوں اور کھربوں میل تک — انہیں زندگی کے آثار نظر نہ آتے ہوں گے ۔ قبل از وقت اور برق وار ارتقا نے انہیں ایک لامحدود تنہائی سے دوچار کر دیا تھا ۔ وہ آسمانوں میں دیوتاؤں کی طرح تنہا تھے ۔

پھر انھوں نے سوچا کہ چلو ، دیکھیں اور ڈھونڈیں تو سہی ، شاید کہکشاں کے کسی کونے کھدرے میں ، کسی الگ تھلگ سیارے پر اتفاق سے ترقی یافتہ مخلوق ، ذہین مخلوق سے ملاقات ہو جائے ۔ صدیوں کی کہکشاں نوردی کے بعد ، جس کے دوران میں ان کا کروڑوں ویران یا عقل سے عاری رینگتے ہوئے حشرات اور خونخوار بہائم سے آباد سیاروں سے گزر ہوا ، وہ نظامِ شمسی کی طرف آ نکلے ۔ اس وقت دنیا کا آسمان قیامت خیز آتش فشاں پہاڑوں کے اگلے ہوئے دھوئیں سے داغدار تھا اور سمندروں میں زندگی کا بیج پھوٹنے ہی کو تھا ۔

وہ سرد ، منجمد بیرونی سیاروں کو نظر انداز کرتے ہوئے آگے بڑھے ۔ انہیں پتا تھا کہ وہ سیارے سورج سے اتنی دور ہیں کہ ان پر زندگی پنپ نہیں سکتی ۔ اور پھر انھوں نے ہماری دنیا کو دیکھا ، جو ایک حیات پرور حرارت کے منطقے میں سورج کے گرد گھوم رہی تھی ، اور جان لیا کہ وہ سورج کی دلاری ہے ۔ اس پر مستقبل بعید میں ذہانت کا بیج اگے گا ۔ لیکن انہیں تو ابھی بہت آگے جانا تھا اور نظامِ شمسی کی طرف واپس آنے

کے امکانات بہت ہی کم تھے ۔

چنانچہ وہ اپنے پیچھے ایک وفادار پہرےدار چھوڑ گئے ۔ حقیقت یہ ہے کہ کہکشاں میں جہاں بھی انہیں ایسا سیارہ ملا تھا جو اُمید افزا تھا وہاں وہ اہرام کی شکل میں اپنا پہرےدار ضرور چھوڑ آئے تھے ۔ اور ایسے روشن مستقبل والے سیارے لاکھوں ہی تھے ۔ اور چاند سے ان کا یہ پہرےدار کروڑوں سال سے صبر کے ساتھ یہ خبر گھر بھیج رہا تھا کہ ابھی کوئی اس تک نہیں پہنچا ۔

غالباً یہ تو آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے کہ انہوں نے وہ بلوریں اہرام دنیا پر کیوں نہیں بنایا ۔ اس کے معماروں کو نیم وحشی یا نیم متمدن نسلوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی ۔ وہ نوعِ انسانی میں صرف اسی صورت میں دلچسپی لے سکتے تھے کہ وہ باقاعدہ طور پر زندہ رہنے کی اہلیت کا ثبوت دے ۔ اور اس اہلیت کا ثبوت اس سے بہتر کیا ہو سکتا تھا کہ انسان خلا میں سفر کرنا سیکھ لے۔ کیونکہ خلائی سفر کا انحصار جوہری توانائی پر ہے اور جوہری توانائی کی دریافت خطرناک مرحلہ ہے ۔ یہ دریافت دنیا کو موت کے قعر میں بھی دھکیل سکتی تھی اور زندگی کی رفعتوں پر بھی پہنچا سکتی تھی ۔ ان دور کے آنے والوں کو صرف ایسی مخلوق سے غرض تھی جو جوہری توانائی دریافت کرنے کے بعد صحیح قدم اُٹھا سکے ۔ ہم صحیح قدم اُٹھانے میں کامیاب ہو گئے ۔

صحیح قدم اُٹھانے کے بعد ہمارا ان کے اہرام تک پہنچنا ناگزیر تھا ۔ اب ہم نے اسے توڑ دیا ہے ۔ جلد یا بدیر اس کے ٹوٹنے کی خبر ان تک پہنچ جائے گی کیونکہ اہرام کی علتِ غائی

یہی تھی ۔ شاید وہ آ کر ہماری مدد کرنا پسند کریں ۔ لیکن ان کا تعلق ایک بہت عمر رسیدہ نسل سے ہو گا اور عمر رسیدہ لوگ نوجوانوں سے اکثر دیوانگی کی حد تک حسد کرتے ہیں ۔

جب بھی میں کہکشاں کی طرف دیکھتا ہوں تو یہ خیال میرے دل میں کروٹیں لیتا ہے کہ نہ جانے کون سے مجموعۂ نجوم سے ان کے سفیر ہماری دنیا کی طرف روانہ ہوئے ہوں گے ۔ میں ایک عام سی تشبیہ دوں ؟ یہ ایسا ہی ہے جیسے ہم نے فائرالارم کا شیشہ توڑ دیا ہو اور انتظار کے سوا کچھ نہ کر سکتے ہوں۔ شاید ہمیں زیادہ انتظار نہ کرنا پڑے ۔

دور کے مہمان

بل براؤن

اس پرانے مکان پر نظر ڈالتے ہی ریفرٹی کو ، جو ٹائمز کا رپورٹر تھا ، یقین ہو گیا کہ کسی نے اس کے ساتھ مذاق کیا ہے ۔ نہ تو وہاں کوئی ایمبولینس کھڑی تھی اور نہ متجسس لوگوں کا ہجوم تھا ۔

ریفرٹی نے سٹاف کار ایک درخت کے نیچے کھڑی کی اور مکان کو بغور دیکھنے لگا ۔ مشاہدے کی اسی باریکی نے اسے ٹائمز اخبار کا سب سے اچھا رپورٹر بنا دیا تھا ۔ اس موسم زدہ بھورے مکان کی دو منزلیں تھیں اور سامنے کے لان کو نلائی کی سخت ضرورت تھی ۔ مکان کے پچھواڑے اناج کی کوٹھری اور مرغیوں کے ڈربے تھے ۔ کچھ جنگلے تھے جو تختوں اور پائپ کے ٹکڑوں کے سہارے کھڑے تھے ۔ ریفرٹی اندر پہنچا اور پورچ کے آگے کی چوبی سیڑھیوں پر پھونک پھونک کر قدم رکھنے لگا ۔ اسے ڈر تھا کہیں کوئی سیڑھی جواب نہ دے جائے ۔

ابھی وہ گھنٹی تلاش ہی کر رہا تھا کہ دروازہ کھلا اور مسٹر آلسوپ مکان سے باہر آئے اور بولے : " مزاج شریف ۔"

ریفرٹی نے ہمیشہ کی طرح اپنے ہیٹ کو ذرا اوپر کھسکا کر کہا : " میں ٹائمز کا ریفرٹی ہوں ۔" اکثر لوگ اس کے نام سے

واقف تھے اور جب وہ یہ بات سنتے تھے تو ان کے چہروں پر عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی ۔ ریفرٹی کو ان کے چہروں کے بدلتے ہوئے رنگ دیکھنے میں بڑا مزا آتا تھا ۔

" ریفرٹی ؟ " آلسوپ نے سوچتے ہوئے کہا اور ریفرٹی کو پتا چل گیا کہ وہ ٹائمز نہیں پڑھتا ۔ چنانچہ وہ بولا : " میں ایک رپورٹر ہوں ۔ ایک آدمی نے مجھے فون کیا تھا کہ یہاں کہیں ہوائی جہاز گرا ہے ۔" آلسوپ کے چہرے پر تفکر کے آثار نمودار ہوئے اور اس نے آہستہ آہستہ سر ہلایا : " نہیں تو ۔"

ریفرٹی نے شروع ہی میں تاڑ لیا تھا کہ آلسوپ غبی آدمی ہے اور کچھ سوچنے یا سمجھنے کے لیے اسے خاصا وقت درکار ہوتا ہے ۔ اس نے آلسوپ کو مزید سوچ بچار کا موقع دیا ۔ مگر آلسوپ نے اب کی دفعہ بھی " نہیں " پر اکتفا کی ۔ اتنے میں جالی دار دروازہ چرچرایا اور مسز آلسوپ باہر آئی ۔ آلسوپ ابھی تک سوچ میں ڈوبا ہوا تھا ۔ ریفرٹی نے سوچا چلو بیوی ہی سے پوچھ لیں ۔ وہ شوہر سے قدرے ذہین معلوم ہوتی تھی ۔ لیکن جواب میں مسز آلسوپ نے بھی سر ہلا دیا اور بالکل اپنے شوہر کی طرح " نہیں " کہا ۔

ریفرٹی جانے کے لیے مڑا اور جاتے جاتے جنگلے پر ہاتھ رکھ کر بولا : " میرا خیال ہے کسی نے جھوٹ موٹ فون کیا تھا ۔ ایسا ہمارے ساتھ ہوتا ہی رہتا ہے ۔ کوئی نئی بات نہیں ۔ بہرحال ، فون کرنے والے نے کہا تھا کہ آج صبح ایک ہوائی جہاز آگ کی لکیر کھینچتا ہوا آپ کے پچھواڑے گرتا دیکھا گیا ۔"

یکایک مسز آلسوپ کا چہرہ چمک اٹھا : " اوہ ! اب میں سمجھی ۔ لیکن وہ گر کر تباہ تو نہیں ہوا ۔ اور پھر وہ ہوائی جہاز کب ہے ۔ میرا مطلب ہے اس کے پر تو ہیں نہیں ۔"

سیڑھی اترتے اترتے ریفرٹی کا پاؤں ہوا میں لٹکا رہ گیا ۔ اس نے کہا : " معاف کیجیے ، میں سمجھا نہیں ۔ ایک ہوائی جہاز اترا اور اس کے پر نہیں تھے ؟ "

مسز آلسوپ نے اطمینان سے جواب دیا : " جی ہاں ۔ وہ اس وقت اناج کی کوٹھری میں کھڑا ہے ۔ اس کے مالک کوئی ہتھوڑے سے لوہا موڑنے والے لوگ ہیں ۔"

یہ سن کر ریفرٹی کو پھر کوئی مزے دار خبر ہاتھ آنے کی امید ہو گئی ۔ اس نے کہا : " اچھا ، ہیلی کوپٹر ہو گا ۔"

مسز آلسوپ نے سر ہلایا : " نہیں ، ہیلی کوپٹر نہیں ہے ۔ ہیلی کوپٹر میں اوپر پنکھا لگا ہوتا ہے ، اس میں نہیں ہے ۔ آپ خود ہی جا کر دیکھ لیجیے ۔ میں نے کہا ، تم ذرا ان کے ساتھ چلے جاؤ ۔ ان سے کہنا کہ تختوں سے بنے ہوئے راستے پر چلیں ۔ اِدھر اُدھر کیچڑ ہے ۔"

آلسوپ نے جوش میں آ کر کہا : " آئیے ، چلیے ۔ میں خود اس جہاز کو ایک بار اور دیکھنا چاہتا ہوں ۔"

ریفرٹی آلسوپ کے پیچھے پیچھے تختوں پر چلنے لگا ۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اخبار کا نامہ نگار ہونے کی حیثیت سے اس کا ایک سے ایک عجیب اور سنکی اور جنونی آدمی سے پالا پڑ چکا ہے لیکن جہاں تک اللہ میاں کی گائے ہونے کا تعلق ہے یہ میاں بیوی اپنا جواب آپ ہیں ۔

راستے میں آلسوپ نے کہا : " صاحب ، اس سال بہت چوزے نکلے۔ ہیں بھی عمدہ نسل کے ۔ منورکا ہیں سب ۔ اب اور کڑک مرغیاں بٹھاؤں گا ۔ میں نے کہا ، ریفرٹی صاحب ، آپ کا کیا خیال ہے ، چوزے اوپر کسی ستارے پر اچھی طرح پل سکیں گے ؟ " ریفرٹی کی نظر خود بخود آسمان کی طرف اٹھ گئی اور اس کے قدم غلط ہوگئے۔ وہ کیچڑ میں اتر گیا ۔ " اوپر کہاں ؟ " اس نے پوچھا ۔

" میں نے کہا تھا کسی ستارے پر ۔" آلسوپ نے بتایا ۔ ریفرٹی ابھی اس بات کے بے تکے پن پر غور کر ہی رہا تھا کہ آلسوپ نے بڑھ کر اناج کی کوٹھری کا دروازہ کھول دیا اور اندر نظر ڈالتے ہی ریفرٹی کو پتا چل گیا کہ خبر ہاتھ آگئی ہے ۔

کوٹھری میں پلاسٹک نما کسی مسالے کی بنی ہوئی ایک بہت بڑی چیز رکھی تھی جس کی شکل ایسی تھی جیسے ادھ کٹا تربوز زمین پر رکھا ہو ، اوپر سے گول ، نیچے سے بالکل چپٹا ۔ ریفرٹی نے سوچا : " اوہو ، معلوم ہوتا ہے کسی سر پھرے نے خلائی جہاز بنایا ہے " اور فوراً ایک چھتیس پوائنٹ کی سرخی اس کے ذہن میں گھوم گئی :

مقامی کسان نے چاند پر جانے کے لیے راکٹ بنا لیا

اس نے امید بھرے لہجے میں پوچھا : " آلسوپ صاحب ، یہ جہاز آپ نے تو نہیں بنایا ؟ " یہ سن کر آلسوپ ہنسا : " ارے نہیں صاحب ! ایسی چیزیں بنانا میرے بس کی بات نہیں ۔ میرے کچھ دوست اس میں بیٹھ کر یہاں آئے ہیں ۔"

اتنے میں ریفرٹی ، جو جہاز کی طرف بڑھ رہا تھا ، "آف"

کرکے اپنا پاؤں پکڑ کر بیٹھ گیا ۔ اس نے کسی ایسی غیر مرئی چیز سے ٹھوکر کھائی تھی جو لوھے کی طرح سخت تھی ۔ آلسوپ کچھ شرمندہ ھو کر بولا : " معاف کیجیے ، میں آپ کو بتانا بھول گیا کہ آپ اس جہاز کے بہت پاس نہیں جا سکتے۔ میرے دوستوں کو خطرہ تھا کہ کہیں پاس پڑوس کے لڑکے بالے کوئی شرارت نہ کریں اس لیے انھوں نے جہاز کے اِرد گرد کوئی چیز بنا دی ھے ۔"

ریفرٹی نے اسے بڑے غور سے دیکھا کہ شاید وہ مذاق کر رھا ھو لیکن آلسوپ کے چہرے پر انتہائی سنجیدگی کے سوا کسی چیز کے آثار نہ تھے ۔ " آپ کے دوست ھیں کون ؟ " ریفرٹی نے پوچھا ۔

آلسوپ سوچ میں پڑ گیا : " کیا بتاؤں ! خود مجھے کچھ ٹھیک پتا نہیں ۔ وہ باتیں ٹھیک طرح نہیں کرتے ، بلکہ قصہ یہ ھے کہ وہ باتیں سرے سے کرتے ھی نہیں ۔ مجھے اتنا ھی معلوم ھے کہ ان کا نام کچھ اس طرح کا ھے : لوھے کو ھتھوڑے سے موڑنے والے ۔"

" لوھار ھوں گے ۔ اچھا ، یہ دوست آپ کے اس وقت ھیں کہاں ؟ "

" وہ گھر پر ھی ھیں ۔ اگر آپ ملنا چاھیں تو چلیے۔ لیکن ان سے بات کرنا بہت مشکل ھے ۔"

" کیا وہ روسی ھیں ؟ "

" نہیں ، روسی تو معلوم نہیں ھوتے ۔"

ریفرٹی پر ایسی بے قراری سوار تھی کہ وہ گھر کی طرف لپکا

اور آداب کو بالائے طاق رکھ کر آلسوپ سے آگے ہو گیا ۔ آلسوپ راستے بھر بولتا رہا : " یہ لوگ یہاں پہلی مرتبہ کوئی چھ سال ہوئے آئے تھے ۔ انہیں کچھ انڈوں کی ضرورت تھی ۔ جہاں سے آئے تھے شاید وہاں چوزے نکلوانا چاہتے ہوں گے ۔ گھر پہنچنے میں تین سال لگ گئے ۔ انڈے ہو گئے خراب ۔ اس لیے وہ فوراً ہی لوٹ آئے ۔ آنے جانے میں چھ سال لگ گئے ۔ اب کے میں نے انہیں ایک کڑک مرغی بھی دے دی ہے ۔" وہ قہقہہ مار کر ہنسا ، " جب یہ جہاز آسمان پر اڑا جا رہا ہو گا تو اس میں چوزے ہی چوزے ہوں گے ۔"

اندر داخل ہونے سے پہلے آلسوپ نے ریفرٹی کی بانہہ پکڑ لی اور رازدارانہ لہجے میں بولا : " سنیے ، میری بیوی ان لوگوں سے زیادہ اچھی طرح بات کر سکتی ہے ۔ جو بات پوچھنی ہو اسی کی مدد سے پوچھیے گا ۔"

* * *

کمرے میں قدم رکھتے ہی ریفرٹی کے ہوش اڑ گئے ۔ اس نے جلدی سے ایک کواڑ کا سہارا لیا اور کسی جنونی آدمی کی طرح ٹکٹکی باندھ کر گھورنے لگا ۔ ایک آرام کرسی پر مسز آلسوپ بیٹھی تھی اور پاس کے صوفے پر وہ مہمان بیٹھے تھے : غیر انسانی مخلوق ، بڑے بڑے چہرے ، تأثر سے خالی اور شیشہ آسا ، آنکھیں بالکل گول جیسے کسی نے چہرے پر پینٹ کر دی ہوں ، پتلی اور کانٹے دار گردنیں اور سب سے عجیب چیز یہ تھی کہ ان کے کانوں سے دو ایریل نما باریک لچک دار چھڑیاں اگ رہی تھیں جیسے جھینگر کی لمبی لمبی مونچھیں ۔ مسز آلسوپ نے ریفرٹی

کو دیکھ کر بڑی بشاشت سے کہا : " یہ ہیں وہ لوگ جو اس جہاز میں بیٹھ کر ہم سے ملنے آئے ہیں ۔" اور اپنی ایک آنگلی اٹھا کر ان لوگوں سے کہا : " یہ مسٹر ریفرٹی ہیں ، ایک اخبار کے رپورٹر ۔ آپ کا جہاز دیکھنے تشریف لائے ہیں ۔" ان دونوں مہمانوں نے اپنی چھڑیاں موڑ کر گویا اسے سلام کیا ۔ ریفرٹی نے بھی جواب میں سر ہلایا اور بولا : " میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں ۔"

مسز آلسوپ نے کہا : " کیوں نہیں ، ضرور ! مگر یہ زبان سے نہیں بولتے ۔ کچھ تصویریں سی بنا دیتے ہیں ۔ جب آپ کچھ پوچھیں گے تو یہ اپنی چھڑیاں آپ کی طرف جھکا دیں گے اور پھر آپ کا ذہن بھی وہی سوچنے لگے گا جو ان کے ذہن میں ہو گا ۔ اب بتائیے ، آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں ؟ "

ریفرٹی نے کانپتے ہاتھوں سے ایک سگریٹ جیب سے نکال کر سلگایا اور سوچ کر بولا : " ان سے یہ پوچھیے کہ یہ کہاں سے آئے ہیں ۔" مسز آلسوپ مسکرائی : " یہ بڑا مشکل سوال ہے ۔ ایک مرتبہ میں نے بھی پوچھا تھا ۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہ آیا تھا ۔" یہ کہہ کر اس نے اپنی ایک آنگلی اٹھائی ۔ فوراً دونوں مہمانوں کی چھڑیاں اس کی طرف جھک گئیں ۔ مسز آلسوپ نے یوں بولنا شروع کیا جیسے کسی اونچا سننے والے سے بات کر رہی ہو : " یہ صاحب جاننا چاہتے ہیں کہ آپ کہاں سے آئے ہیں ؟ "

آلسوپ نے ریفرٹی کے کہنی ماری : " جب جواب سننا ہو تو آنگلی اٹھا دینا ۔" یہ سب باتیں اتنی عجیب و غریب تھیں

کہ ریفرٹی کا سر چکرا گیا تھا ۔ اسے بار بار یہ خیال آ رہا تھا کہ اسے اُلو بنایا جا رہا ہے ۔ یہ کسی کی پبلسٹی اسکیم ہے اور وہ جال میں پھنس گیا ہے ۔ آخر اس نے اُنگلی اُٹھا ہی دی ۔ فوراً وہ چھڑیاں اس کی طرف جھکیں اور اسے ایسا محسوس ہؤا جیسے اس کا ذہن ربڑ کا بنا ہؤا ہے اور کوئی اسے مسل اور پیٹ اور نچوڑ رہا ہے ۔ دہشت کے مارے اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا ۔ وہ خلاؤں میں اُڑا جا رہا تھا ۔ اس کے پاس سے سیارے ، سیارچے ، ستارے ، شہاب ثاقب ، دم دار تارے اور سدیم سائیں سائیں کرتے گزرتے جا رہے تھے۔ آخر میں ایک بہت بڑا ستارہ ، جس کی چمک دمک سے آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں ، قریب آیا ، چند لمحے ذہن میں چمکتا رہا اور پھر سب تصویریں مٹ گئیں ۔ ریفرٹی کو محسوس ہؤا کہ اسے جاڑا بخار چڑھ گیا ہے ۔ اس کا سگریٹ زمین پر گر پڑا تھا ۔ آلسوپ نے اسے سگریٹ اُٹھا کر دیا اور کہنے لگا : " یہ لیجیے اپنا سگریٹ ۔ آپ کو سوال کا جواب ملا ؟ "

ریفرٹی کا رنگ فق ہو چکا تھا ۔ وہ بولا : " یہ لوگ تو واقعی اپنے خیالات کو دوسرے کے ذہن تک ، منہ سے کچھ کہے بغیر ، منتقل کر سکتے ہیں ۔ عجیب و غریب صلاحیت کے مالک ہیں اور کہیں خلا پار سے آئے ہیں ۔"

آلسوپ نے بے پروائی سے جواب دیا : " جی ہاں ، یہ بڑی دور سے آئے ہیں ۔"

" آپ سمجھے بھی کہ اس واقعے کا کیا مطلب ہے ؟ " ریفرٹی کو اپنی آواز میں ہسٹریا کے آثار پیدا ہوتے محسوس ہوئے ۔ " پتا

بھی ہے یہ دنیا کی تاریخ کا عظیم ترین واقعہ ہے ، عظیم ترین ۔ اور میں یہاں موجود ہوں اور یہ سب کچھ میری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے ۔ ارے تمہارا فون کہاں ہے ؟ " وہ چیخا ۔

" ہمارے ہاں تو ٹیلی فون ہے نہیں ۔ یہاں سے فرلانگ بھر پر ایک گھر ہے ، وہاں شاید ہو ۔ اور سنیے ، یہ لوگ تو چند منٹ بعد جانے ہی والے ہیں ۔ آپ انہیں الوداع کہنے کے لیے ٹھیر کیوں نہیں جاتے ۔ فون بعد میں کر لیجیے گا ۔ انڈے ، کڑک مرغی اور دانہ میں نے جہاز میں رکھوا دیا ہے ، اب یہ لوگ رکیں گے نہیں ۔"

ریفرٹی گھبرا کر بولا : " نہیں ، نہیں ، یہ چند منٹ بعد نہیں جا سکتے ۔ سنو ، مجھے فون کرنا ہے ، کسی فوٹوگرافر کو بلانا ہے ۔"

مسز آلسوپ مسکرائی : " مسٹر ریفرٹی ، ہم نے انہیں دوپہر کے کھانے پر روکنے کی کوشش کی تھی مگر انہیں جلدی ہے ۔ انہیں کسی خلائی جزر کے ساتھ روانہ ہونا ہے ۔"

ریفرٹی بوکھلا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا حالانکہ اسے پتا تھا کہ گھر میں ٹیلی فون نہیں ہے ۔ اس کے ہاتھ سے دنیا کی عظیم ترین خبر نکلی جا رہی تھی ۔ اس نے پیر پٹخے ، بال نوچے اور پھر چیخا : " سنو ، آلسوپ ، تمہارے پاس کوئی کیمرا ہے ؟ کسی طرح کا کیمرہ ؟ مجھے سخت ضرورت ہے کیمرے کی ۔"

آلسوپ نے جواب دیا : " میرے پاس بڑا عمدہ کیمرا ہے ۔ ہے تو بوکس کیمرا مگر فوٹو غضب کے آتے ہیں ۔ میں نے اپنے چوزوں کی کچھ تصویریں اتاری تھیں ۔ وہ دکھاتا ہوں لا کر ۔"

ریفرٹی نے جھنجھلا کر کہا : " نہیں ، جی ، میں تمہاری تصویریں دیکھنا نہیں چاہتا ۔ مجھے صرف کیمرا چاہیے ۔"

آلسوپ دوسرے کمرے میں چلا گیا جو آڑ کباڑ سے بھرا ہؤا تھا ۔ ریفرٹی نے اسے اِدھر اُدھر ہاتھ مارتے ہوئے دیکھا اور پھر مہمانوں کی طرف متوجہ ہو گیا : " مسز آلسوپ میں اور سوال کرنا چاہتا ہوں ۔" جواب ملا : " ضرور پوچھیے ۔"

وہ سوچنے لگا کہ آخر کیا پوچھے ۔ ان کا نام بھی پتا چل گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ کسی دوسری دنیا سے آئے تھے اور ان کی آمد کا مقصد انڈوں کی خریداری تھا ۔ اب کیا پوچھا جائے ...؟ اتنے میں دوسرے کمرے سے آواز آئی : " بیگم ، تم نے میرا کیمرا دیکھا ہے ؟ "

مسز آلسوپ نے آہ بھر کر جواب دیا : " تم نے خود ہی کہیں چھپا کر رکھا تھا ۔"

یہ سن کر آلسوپ بولا : " مشکل یہ ہے کہ میرے پاس فلم کوئی نہیں ۔"

ابھی اس کا جملہ مکمل نہ ہؤا تھا کہ دونوں مہمانوں نے اپنی چھڑیاں ایک دوسرے کی طرف جھکائیں جیسے وہ کچھ مشورہ کر رہے ہوں اور پھر گویا کسی فیصلے پر پہنچ کر یکایک اٹھ کھڑے ہوئے اور جگنوؤں کی طرح جھلملاتے ہوئے اس تیزی سے کمرے سے رخصت ہوئے کہ ان پر نظر نہ جم سکی ۔ انہیں اس طرح جاتے اور ان کے ملخ نما جسم دیکھ کر ریفرٹی پر سکتہ سا طاری ہوگیا ۔ چند لمحے وہ بت بنا کھڑا رہا ، پھر اسے ہوش آیا اور انہیں روکنے کے لیے آوازیں دیتا ہؤا بھاگا ۔ مگر اس نے

دیر کر دی تھی ۔ وہ ابھی اناج کی کوٹھری سے کچھ دور تھا کہ وہ چمکیلا جہاز ، جس پر پلاسٹک کے کھلونے کا گمان ہوتا تھا ، سرکتا ہؤا کوٹھری سے باہر آیا اور سوں سوں کرتا ہؤا آسمان پر چھائے بادلوں میں غائب ہو گیا ۔

ریفرٹی کی ٹانگوں میں جیسے دم ہی نہ رہا ۔ وہ نڈھال ہو کر زمین پر گر گیا ۔ جہاں جہاز زمین پر ایک لمحے کو رکا تھا وہاں کیچڑ سے بھاپ اٹھ رہی تھی ۔ بس ! اور کوئی نشان باقی نہ تھا ۔ ریفرٹی کے ہاتھ سے دنیا کی عظیم ترین خبر نکل گئی تھی ۔ نہ کوئی تصویر ، نہ کوئی شہادت ۔ خبر بنے تو کیسے بنے ۔

لیکن ریفرٹی ٹائمز کا بہترین رپورٹر یونہی تو نہیں بن گیا تھا ۔ یکایک اس کی آنکھیں چمکیں ، ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ لرزی ۔ وہ اٹھ کر مکان کی طرف دوڑا ۔ اندر پہنچ کر اس نے چیخ کر کہا : " آلسوپ ، کیا ان لوگوں نے انڈوں کی قیمت ادا کی ہے ؟ "

آلسوپ ایک الماری کے آگے کرسی پر چڑھا اب تک کیمرہ ڈھونڈ رہا تھا ۔ وہ کرسی سے اتر پڑا اور بولا : " ہاں ، ادا کی تو تھی ایک طرح سے ۔"

" دکھانا ، کیسے سکے ہیں ؟ " ریفرٹی نے بے تابی سے کہا ۔

" سکے نہیں دیے تھے انھوں نے ۔ ان کے یہاں سکے نہیں ہوتے ۔ چھ سال پہلے جب وہ آئے تھے تو ہمیں بدلے میں کچھ انڈے دے گئے تھے ۔"

ریفرٹی کو ایسا لگا جیسے کسی نے اس کے سر پر لٹھ دے مارا ہو : " چھ سال پہلے ! آف ۔ لیکن وہ انڈے کیسے تھے ؟

ان میں سے کیا نکلا ؟ "

آلسوپ نے جواب دیا : " کیا بتاؤں کیسے تھے ۔ ہم ان انڈوں کو ستارہ کہا کرتے تھے۔ ان کی شکل ستاروں جیسی تھی اور جو مرغی انھیں سینے بیٹھی تھی وہ ان کی نوکوں سے تنگ آ گئی تھی ۔ ان انڈوں سے نکلنے والے چوزے کوئی خاص اچھے نہیں ہوتے ۔ ان کا آدھا دھڑ دریائی گھوڑے جیسا اور آدھا ابابیل جیسا ہوتا ہے ، لیکن ٹانگیں چھ ہوتی ہیں ۔ صرف دو چوزے زندہ نکلے تھے۔ انھیں ہم نے پچھلی کرسمس کو کاٹ کر کھا لیا تھا ۔"

ریفرٹی نے اب بھی ہار نہ مانی : " کچھ پتا ہے ان کے ڈھانچے کہاں ہیں ؟ "

آلسوپ کے چہرے سے عیاں تھا کہ اس تازہ ترین سوال نے اسے ضرورت سے زیادہ متعجب کیا ہے : " ڈھانچے ! آپ کا مطلب ہے ہڈیاں ؟ وہ تو میں نے کتے کے آگے ڈال دی تھیں ۔ اب تو وہ کتا بھی مر چکا ۔ اس کی ہڈیوں کا البتہ مجھے پتا ہے کہ کہاں ہیں ۔"

ریفرٹی نے ، جس کے سر میں چکیاں سی چلنے لگی تھیں ، اپنا ہیٹ اُٹھایا اور ماتمی آواز میں کہا : " بس شکریہ ، مسٹر آلسوپ ، شکریہ ۔"

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہؤا کمرے سے باہر نکلا ۔ اس کا سر گھوم رہا تھا اور ہر قدم پر اسے یہ محسوس ہوتا تھا جیسے وہ بھی پلاسٹک کے بنے ہوئے کسی گولے کی طرح ہوا میں اُڑ جائے گا ۔ یکایک اس کے پیچھے کمرے کا دروازہ کھلا اور آلسوپ آستین سے کیمرے کو صاف کرتا ہؤا باہر آیا اور بولا :

" لیجیے ، مسٹر ریفرٹی ، کیمرا تو مل گیا ۔"

وہ لوگ کہاں گئے نہ جانے

رے بریڈبری

سبزہ زار کی ہوا کے جھونکوں سے راکٹ کی فلزاتی چادر ٹھنڈی پڑتی گئی ۔ اس کا ڈھکن اس طرح کھلا جیسے بوتل کا کاگ اڑ جائے۔ اس میں سے ایک مرد ، ایک عورت اور تین بچے نکلے ۔ دوسرے مسافر سرگوشیاں کرتے ہوئے سبزہ زار کے پار چلے گئے۔ وہ آدمی اپنے بیوی بچوں سمیت تنہا کھڑا رہ گیا ۔

اس آدمی نے محسوس کیا کہ اس کے بال تھرتھرا رہے ہیں اور بدن کا ریشہ ریشہ اس طرح کھنچ رہا ہے جیسے وہ کسی خلا کے بیچ میں کھڑا ہو ۔ اس کی بیوی ، سامنے کھڑی کھڑی ، کانپنے لگی ۔ بچے ، ننھے منے بیج ، جنھیں گویا آنکھ جھپکتے میں مریخ کی ہر اقلیم کی خاک میں جڑ پکڑنی تھی ۔

بچے منہ اٹھا کر باپ کو تکنے لگے۔ اس کا چہرہ افسردہ تھا ۔

" کیا بات ہو گئی ؟ " بیوی نے پوچھا ۔

" چلو ، راکٹ میں واپس چلیں ۔"

" دنیا کو لوٹ جائیں ؟ "

" ہاں ! سنو ! "

ہوا چل رہی تھی ، جیسے کوئی رو رہا ہو ۔ نہ جانے کب مریخ کی یہ ہوا اس کے جسم سے روح اس طرح کھینچ لے جیسے

سفید ھڈی میں سے گودا نکالا جاتا ھے ۔

اس نے ان مریخی پہاڑیوں پر نظر ڈالی جنھیں مرورِ ایام نے گھس ڈالا تھا ۔ اس نے ان قدیم شہروں کو دیکھا جو گھاس کی لہریں مارتی جھیلوں میں بچوں کی نازک ھڈیوں کی طرح ، کھوئے کھوئے ، بکھرے پڑے تھے ۔

" ھمت سے کام لو ، ھیری ۔" بیوی نے کہا ، " اب واپس جانے کی تک نہیں ۔ ھم کم از کم چھ سات کروڑ میل کا سفر کر کے یہاں آئے ھیں ۔"

مرد نے اپنے ٹھنڈے ھاتھوں میں سامان اٹھا لیا : " لو بھئی ، ھم چلے ۔" اس نے کہا — جیسے وہ سمندر کے کنارے کھڑا ھو اور پانی میں اتر کر ڈوب جانے کے لیے تیار ۔

چلتے چلتے وہ قصبے میں داخل ھوئے ۔

* * *

میاں کا نام ھیری تھا ، بیوی کا کورا ؛ بچے : ٹم ، لاؤرا اور ڈیوڈ ۔ انھوں نے چھوٹی سی ، سفید رنگ کی کاٹیج بنائی ، اس میں رھنے لگے ، لیکن خوف نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا ۔ ھر رات ، بن بلائے مہمان کی طرح ، وہ میاں بیوی سے لپٹا رھتا ، ان کی باتوں میں دخل دیتا ، ھر صبح جاگ اٹھتا ۔

ھیری اکثر کہتا : " مجھے ایسا لگتا ھے کہ میں نمک کا ڈلا ھوں اور پہاڑی ندی میں پڑا ھوں ، گھلا جا رھا ھوں ۔ ھمارا یہاں کیا کام ۔ ھم دنیا کے رھنے والے ھیں ۔ یہ مریخ ھے ۔ یہ مریخیوں کے لیے ھے ۔ خدا کے لیے ، کورا ، چلو ، ٹکٹ خرید کر دنیا واپس چلے جائیں ۔"

وہ سر ہلاتی : " کوئی دن جاتا ہے کہ ایٹم بم دنیا کا ستیاناس کر دے گا ۔ ہم یہیں اچھے ہیں ۔"

" اچھا ہے ، پاگل ہو جائیں گے ۔"

* * *

ہیری کو ہر وقت وہم سا رہتا ۔ ہر صبح وہ گھر کی ایک ایک چیز کو غور سے دیکھتا بھالتا جیسے کسی نا گہانی تبدیلی کا منتظر ہو ۔ ناشتہ کرتے ہوئے وہ ایک دن اخبار اٹھا کر کہنے لگا : " نو آبادی کا دور از سرِ نو آ رہا ہے ۔ ارے بھئی ایک سال بعد مریخ پر دس لاکھ انسان آباد ہو چکے ہوں گے ۔ جگہ جگہ بڑے شہر نظر آئیں گے ۔ لوگ کہتے تھے کہ ہم کامیاب نہیں ہو سکتے ۔ کہتے تھے کہ مریخی ہماری دخل اندازی پر ناک بھوں چڑھائیں گے ۔ یہاں ہمیں نام کو بھی کوئی مریخی نظر نہیں آیا ۔ ان کے سنسان شہر ضرور موجود ہیں لیکن ان میں کوئی آباد نہیں ۔"

ہوا کے ایک دریا نے گھر کو آ گھیرا ۔ جب کھڑکیاں بجنی بند ہوئیں تو ہیری نے تھوک نگلا اور بچوں کی طرف دیکھنے لگا ۔ ڈیوڈ بولا : " مجھے تو پتا نہیں ۔ شاید مریخی ہمارے آس پاس موجود ہیں اور ہمیں نظر نہیں آتے ۔ کبھی کبھی رات کو مجھے ایسا لگتا ہے جیسے ان کی آواز سن رہا ہوں ۔ مجھے ہوا کا شور سنائی دیتا ہے ۔ ریت اڑ اڑ کر کھڑکیوں سے ٹکراتی ہے ۔ میں ڈر جاتا ہوں ۔ اور میں دور پہاڑوں پر ان قصبوں کو دیکھتا ہوں جہاں بہت دن پہلے مریخی رہا کرتے تھے ۔ اور ، پاپا ، مجھے یوں لگتا ہے جیسے ان قصبوں میں کوئی چل پھر

رہا ہو ۔ نہ جانے وہ مریخی ہمارے یہاں آ کر رہنے کا برا تو نہیں مانتے ؟ میں تو حیران ہوں کہ کہیں وہ بگڑ کر ہمارے ساتھ کچھ حرکت نہ کر بیٹھیں ۔"

" فضول بات ! " مسٹر ہیری نے کھڑکیوں سے باہر دیکھتے ہوئے کہا ۔ " ہم صاف ستھرے اور معقول لوگ ہیں ۔ دیکھو ، اجاڑ شہروں میں کسی نہ کسی قسم کے بھوت پریت ضرور ہوتے ہیں ۔ میرا مطلب ہے یاد ہیں ۔ تمہیں ایک زینہ نظر آتا ہے اور تم دل میں حیران ہوتے ہو کہ مریخی اس پر چڑھتے ہوئے کیسے لگتے ہوں گے ۔ تم کوئی مریخی تصویر دیکھتے ہو اور دل میں حیران ہوتے ہو کہ اسے بنانے والا کیسا ہوگا ۔ تم اپنے ذہن میں ایک ننھا منا سا بھوت ، ایک یاد ، پیدا کر لیتے ہو ۔ یہ بالکل فطری بات ہے ۔ تخیل اسی کا نام ہے ۔" اس نے پہاڑیوں کی طرف دیکھا اور پوچھا : " معلوم ہوتا ہے تم ان کھنڈروں میں مارے مارے پھرتے رہے ہو ، کیوں ؟ "

" نہیں ، پاپا ۔" ڈیوڈ نے اپنے جوتوں کی طرف دیکھا ۔

" خبردار جو تم کبھی ادھر گئے ۔ ذرا مربہ ادھر کرنا ۔"

چھوٹے ڈیوڈ نے کہا : " کچھ بھی سہی ، میں شرط بد کر کہتا ہوں کچھ ہو کر رہے گا ۔"

* * *

کچھ ہو کر رہا ۔

اسی سہ پہر لاؤرا روتی ہوئی بھاگی آئی ۔ سسکیاں لیتے ہوئے اس نے کہا : " ابا ، امی ــ جنگ ، دنیا ! ابھی ریڈیو پر خبر آئی ہے ۔ نیو یارک پر ایٹم بموں کی بارش ۔ تمام خلائی راکٹ تباہ

ہو گئے ۔ اب یہاں کبھی کوئی راکٹ نہ آئے گا ! "

ماں نے " ہائے " کہہ کر شوہر اور بیٹی کو تھام لیا ۔ باپ نے پر سکون لہجے میں پوچھا : " یقین سے کہہ رہی ہو ؟ "

لاؤرا رو کر بولی : " اب ہم ہمیشہ کے لیے یہاں مریخ پر رہ جائیں گے ۔"

اس سہ پہر بہت دیر تک ہوا کی سائیں سائیں کے سوا کوئی آواز نہ سنائی دی ۔

ہیری نے سوچا : کل ہزار آدمی یہاں ہیں ۔ اب واپس جانے کی کوئی صورت نہیں ۔ کوئی صورت نہیں ۔ اس کے چہرے اور ہاتھوں اور بدن سے پسینہ ٹپکنے لگا ۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ لاؤرا کے ایک تھپڑ رسید کرے اور چیخ کر کہے : " تم جھوٹ بول رہی ہو ۔ راکٹ یہاں ضرور آئیں گے ۔" اس کے برعکس ، اس نے لاؤرا کا سر سینے سے لگا لیا اور کہنے لگا : " ایک نہ ایک دن راکٹ ہم تک آ پہنچیں گے ۔"

" شاید پانچ سال میں ۔ راکٹ بنانے کے لیے اتنی مدت تو درکار ہو گی ۔ ابا ، اتنے ہم کیا کریں گے ؟ "

" ظاہر ہے ، اپنا کام کریں گے ۔ بچے پالیں گے اور فصلیں اگائیں گے ۔ انتظار کریں گے ۔ یونہی کام چلتا رہے گا اور آخر جنگ ختم ہو جائے گی اور راکٹ دوبارہ مریخ آنے لگیں گے ۔"

دونوں لڑکے کاٹیج سے نکلے تو باپ نے انہیں دیکھ کر کہا : " بچو ، ادھر آؤ ۔ میں تمہیں ایک بات بتانا چاہتا ہوں ۔"

" ہمیں پتا ہے ۔" انہوں نے جواب دیا ۔

* * *

ہیری گھر کے باغ میں تنہا کھڑا تھا اور دل میں بیٹھے

ہوئے خوف کا سامنا کر رہا تھا ۔ جب تک راکٹوں نے خلا میں ایک روپہلا جال بچھا رکھا تھا ، مریخ اسے قبول تھا ۔ ہر صبح اٹھنے کے بعد وہ خود سے کہہ سکتا تھا : " اگر میں چاہوں تو آج ہی ٹکٹ خرید کر دنیا جا سکتا ہوں ۔"

لیکن اب وہ اطمینان بخش جال پارہ پارہ ہو چکا تھا ۔ دور دنیا پر راکٹ کھلونوں کی طرح ٹوٹے پھوٹے پڑے تھے۔ اب یہ مٹھی بھر آدمی تھے اور مریخ کی نیرنگی تھی ، مریخ کی دار چینی جیسی خاک اور شراب جیسی ہوائیں تھیں ۔ اب ان کے ساتھ کیا پیش آئے گا ؟ مریخ کی گرمیاں اور جاڑے کیا گل کھلائیں گے ؟ شاید مریخ اسی موقع کی تاک میں تھا ۔ اب وہ انہیں نگل جائے گا ۔

باغ سے نظر اٹھا کر اس نے مریخی پہاڑوں کی طرف دیکھا ۔ اسے ان پرانے اور پروقار ناموں کا خیال آیا جن سے کبھی اہل مریخ ان پہاڑوں کو یاد کرتے ہوں گے ۔ کبھی مریخیوں نے بھی شہر تعمیر کیے تھے ، ان کے نام رکھے تھے ۔ کبھی وہ بھی پہاڑوں پر چڑھے تھے ، پہاڑوں کے نام رکھے تھے ۔ کبھی انھوں نے بھی سمندر پار کیے تھے، سمندروں کے نام رکھے تھے۔ پہاڑ گھس گھسا گئے ، سمندروں میں خاک اڑنے لگی ، شہر ڈھیر ہو گئے۔ اس کے باوجود ان قدیم پہاڑوں اور وادیوں کے نئے نام رکھتے وقت دنیا والوں کو دل ہی دل میں جرم کا احساس ہؤا تھا ۔

بہرحال ، علامتوں اور لیبلوں کے بغیر انسان کا گزر ممکن نہیں ۔ نئے نام رکھ دیے گئے ۔

باغ میں ، مریخی دھوپ میں ، ہیری نے بہت تنہائی محسوس

کی ۔ وہ اجنبی دھرتی میں دنیا کے پھولوں کے بیج بو رہا تھا ۔ " سوچتے رہو ۔ کچھ نہ کچھ سوچتے رہو ۔ دنیا اور جوہری جنگ اور راکٹوں کے خیالوں کو پاس نہ پھٹکنے دو ۔" اس نے دل میں کہا ۔ دھوپ میں کام کرنے سے اسے پسینہ آ چلا تھا ۔ اس نے کوٹ اور ٹائی اتار دی اور از سر نو ناموں کے فلسفے پر غور کرنے لگا ۔ دنیا والوں نے اپنی پسند کے نام رکھے تھے ۔ اب مریخ پر کہیں فورڈ نامی پہاڑی تھی ، کہیں لنکن نامی وادی تھی ، بحر روز ویلٹ تھا اور دریائے راک فیلر ۔ یہ بات ٹھیک نہیں تھی ۔ امریکی نوآبادکاروں نے نام رکھتے ہوئے دانش مندی کا ثبوت دیا تھا اور امریکہ میں گوری قوموں کے آنے سے پہلے کے پرانے نام پسند کیے تھے : وس کونسن ، منی سوٹا ، اِڈا ہو ، ملواوکی ۔ پرانے نام ، پرانے معنی ۔

پہاڑوں کو گھور کر دیکھتے ہوئے وہ دل ہی دل میں چیخا : " ارے کوئی ہے وہاں ؟ تم سب جو مر کر خاک ہو چکے ، مریخیو ؟ سنو ، ہم یہاں بے بس پڑے ہوئے ہیں ۔ آؤ اور ہمیں بھگا دو ! ہم لاچار ہیں ۔"

ہوا نے آڑو کے پھول برسائے ۔

ہیری نے اپنا سنولایا ہؤا ہاتھ پھیلایا ، ہلکی سی چیخ ماری ۔ اس نے پھولوں کو چھوا ، زمین سے اٹھا اٹھا کر دیکھا ۔ انھیں الٹ پلٹ کر دیکھا اور بار بار چھوا ۔ پھر اس نے زور سے بیوی کو آواز دی : " کورا ! "

کورا نے کھڑکی سے جھانکا ۔ وہ دوڑا دوڑا اس کے پاس گیا ۔ " کورا ، یہ پھول ! "

کورا نے پھول ہاتھ میں لے کر دیکھے ۔ " تم نے دیکھا ، کورا ؟ یہ بدل گئے ہیں ، یہ مختلف ہیں ۔ یہ آڑو کے پھول نہیں رہے ، کچھ اور ہو گئے ۔" ہیری نے بتایا ۔

" مجھے تو ویسے کے ویسے ہی لگتے ہیں ۔" کورا نے رائے دی ۔

" یہ نہیں ہیں ویسے ۔ ان میں گڑبڑ ہے کچھ ۔ میں بتا نہیں سکتا کیا بات ہے ۔ شاید ایک پنکھڑی زیادہ ہے یا رنگ بدل گیا ہے یا خوشبو یا کیا ۔"

جب بچے دوڑے ہوئے باہر آئے تو انھوں نے دیکھا کہ باپ بھاگ بھاگ کر باغ میں گاجریں ، مولیاں اور پیاز اکھاڑ اکھاڑ کر دیکھ رہا ہے ۔ " کورا ، اِدھر آؤ ۔ دیکھو ۔" ان دونوں نے پیاز ، گاجریں اور مولیاں ہاتھوں میں لے کر دیکھیں ۔

" کیا ایسی ہوتی ہے گاجر ؟ "

" ہاں... نہیں " وہ ہچکچائی ۔ " پتا نہیں ۔"

" یہ بدل گئی ہیں ۔"

" شاید ۔"

" ارے تمھیں پتا ہے یہ بدل گئی ہیں ۔ پیاز ہیں بھی مگر نہیں بھی ہیں ۔ گاجریں ہیں بھی مگر نہیں بھی ہیں ۔ مزہ ویسا ہی ہے مگر مختلف ہے ۔ باس ویسی نہیں جیسی ہوا کرتی تھی ۔"

اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور اسے ڈر لگ رہا تھا ۔

" کورا ، یہ کیا ہو رہا ہے ؟ " وہ لپک کر باغ کے دوسرے سرے تک گیا ۔ وہاں ہر چیز کو چھوکر دیکھا ۔ " یہ گلاب ۔ یہ گلاب ۔ یہ تو سبز ہوتے جا رہے ہیں ! "

اور وہ کھڑے سبز گلابوں کو دیکھتے رہے ۔

اور دو دن بعد تم دوڑا ہؤا آیا : " آؤ ، گائے کو دیکھو - میں دودھ دوہ رہا تھا تو میری نظر پڑ گئی - آؤ چلو -" چھپر تلے کھڑے ہو کر انھوں نے اپنی اکلوتی گائے کو دیکھا -

اس کے سر پر تیسرا سینگ نکل رہا تھا -

اور گھر کے سامنے کا لان بھی آہستگی اور خاموشی سے رنگ بدل رہا تھا - دنیا کی دوب تھی مگر اس کا رنگ بھینا ارغوانی سا ہو گیا تھا -

" ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے " ہیری نے کہا - " یہ چیزیں کھائیں گے تو ہم بھی بدل جائیں گے - نہ جانے کیا بن جائیں - میں یہ نہیں ہونے دوں گا - صرف ایک ہی صورت بچنے کی ہے - ان چیزوں کو آگ لگا دو -"

" ان میں زہر تو ملا ہؤا نہیں ہے " کورا بولی -

" ہے تو - بڑا لطیف - ذرا سا - بالکل ذرا سا - ہمیں اسے ہاتھ بھی نہ لگانا چاہیے -" پھر اس نے بھیانک ہو کر مکان کی طرف دیکھا - " یہ مکان بھی - ہوا نے اس کے ساتھ کچھ کیا ہے - یہاں کی فضا نے اسے جھلس دیا ہے - پھر وہ رات کا کہرا - تمام تختے مڑتڑ کر اپنی اصلی شکل کھو چکے ہیں - اب تو یہ کسی دنیا والے کا گھر معلوم ہی نہیں ہوتا -"

" اُف ، یہ تمہارا تخیل -"

ہیری نے کوٹ پہنا ، ٹائی باندھی - " میں قصبے تک جا رہا ہوں - ہمیں کچھ کرنا ہی پڑے گا - میں بس آیا -"

" ٹھیرو ، ہیری " بیوی چیخی -

لیکن وہ جا چکا تھا -

* * *

قصبے میں ، جنرل اسٹور کی سایہ دار سیڑھیوں پر ، مرد گھٹنوں پر ہاتھ رکھے بڑے اطمینان اور فراغت سے گپیں مار رہے تھے ۔

ہیری کا دل چاہا کہ ہوا میں پستول داغ دے ۔ "بیوقوفو ، تم کیا کر رہے ہو !" اس نے دل میں سوچا ۔ "یہاں بیٹھے ہو ۔ تم نے خبر سنی ہے ۔ ہم اس سیارے پر بے یار و مددگار پڑے ہیں ۔ ارے کچھ کرو ۔ تمھیں ڈر نہیں لگتا ؟ تمھیں خوف نہیں آتا ؟ تم کیا کرو گے ؟ "

سب لوگوں نے کہا : " ہیلو ، ہیری ! "

ہیری بولا : " دیکھو بھئی ، تم لوگوں نے خبر سنی تھی ، کل والی خبر ؟ سنی تھی نا ؟ "

انھوں نے سر ہلائے اور قہقہے لگائے ۔ "بے شک سنی تھی ، بے شک ۔"

" تو اب تم اس سلسلے میں کیا قدم اٹھاؤ گے ؟ "

" قدم اٹھاؤ گے ، ہیری ، قدم ؟ ہم کیا کر سکتے ہیں ؟ "

" راکٹ بناؤ ، اور کیا ! "

" راکٹ ، ہیری ؟ تاکہ ہم بھی واپس جا کر دنگے فساد میں پھنس جائیں ؟ واہ ، ہیری میاں ! "

" لیکن تمھیں ضرور واپس جانے کی خواہش کرنی چاہیے ۔ کیا تم نے آڑو کے پھول ، پیاز ، گھاس غور سے نہیں دیکھی ؟ "

" ہاں ، ہیری ، لگتا تو ہے کہ دیکھی ہے " ان آدمیوں میں سے ایک نے کہا ۔

" تمھیں ڈر نہیں لگا ؟ "

" یاد نہیں آتا کہ ڈر لگا ہو ، کوئی خاص ، ہیری ۔"

" گھامڑ کہیں کے ! "

" بھئی ، ہیری ۔"

ہیری کا دل رونے کو چاہ رہا تھا : " تمہیں میرے ساتھ کام کرنا پڑے گا ۔ اگر ہم یہاں ٹھیرے رہے تو سب کے سب بدل جائیں گے ۔ یہ ہوا ۔ اسے سونگھ کر دیکھا کبھی ؟ اس ہوا میں کچھ چکر ہے ۔ کوئی مریخی جرثومہ ہے یا بیج ہے یا شاید زرگل ۔ میری بات سنو ! "

وہ ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھتے رہے ۔ ہیری نے ایک آدمی کو مخاطب کیا : " سام ۔"

" کیا ہے ، ہیری ؟ "

" تم راکٹ بنانے میں میری مدد کرو گے ؟ "

" ہیری ، میرے پاس منوں دھات موجود ہے اور کچھ بلیو پرنٹ بھی ہیں ۔ تم میری ورکشاپ میں راکٹ بنانا چاہو تو خوشی سے بناؤ ۔ میں پانچ سو ڈالر کے عوض وہ دھات تمہارے ہاتھ فروخت کر دوں گا ۔ اگر تم اکیلے کام میں جٹے رہے تو تقریباً تیس سال میں اچھا بھلا راکٹ بنا لو گے ۔" سب ہنسنے لگے ۔

" ہنسو مت " ہیری نے کہا اور سام نے خوش مزاجی سے اس کی طرف دیکھا ۔

" سام ، تمہاری آنکھیں..." ہیری نے کہنا شروع کیا ۔

" میری آنکھوں کو کیا ہوا ، ہیری ؟ "

" ان کا رنگ بھورا تھا نا ؟ "

" بھئی ، دیکھو ، مجھے تو یاد نہیں ۔"

" ان کا رنگ بھورا تھا یا نہیں تھا ؟ "

" تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو ، ہیری ؟ "

" کیونکہ ان کا رنگ اب سنہرا سا ہے ۔"

" یہ بات ہے ، ہیری ؟ " سام نے ، بے پروا لہجے میں ، کہا ۔

" اور تم زیادہ لمبے اور زیادہ دبلے ہو گئے ہو ۔"

" شاید تم ٹھیک ہی کہتے ہو ، ہیری ۔"

" سام ، تمہاری آنکھوں کا رنگ سنہرا نہیں ہونا چاہیے ۔"

" ہیری ، تمہاری آنکھیں کس رنگ کی ہیں ؟ " سام نے پوچھا ۔

" میری آنکھیں ؟ ظاہر ہے ، نیلی ہیں ۔"

سام نے جیب میں سے چھوٹا سا آئینہ نکالا : " لو ، ہیری ، ذرا دیکھو تو سہی ۔"

ہیری ہچکچایا ، پھر اس نے آئینہ لے کر چہرے کے سامنے کیا ۔ اس کی آنکھوں کی نیلاہٹ میں تازہ تازہ سنہرے پن کی بندکیاں چمک رہی تھیں ۔

" یہ تم نے کیا کیا " ایک لمحے کے بعد سام نے کہا ۔ " میرا آئینہ ہی توڑ ڈالا ۔"

ہیری نے ورکشاپ کا رخ کیا اور راکٹ بنانا شروع کر دیا ۔ لوگ کھلے دروازے میں کھڑے ، نیچی آواز میں ، بات چیت اور مذاق کرتے رہے ۔ کبھی کبھار وہ کوئی چیز اٹھانے میں ہیری کی مدد کر دیتے ۔ لیکن زیادہ وقت انھوں نے بیکاری میں گزارا اور سنہری ہوتی ہوئی آنکھوں سے ہیری کو دیکھتے رہے ۔

" کھانے کا وقت ہو گیا ، ہیری ۔" انھوں نے مطلع کیا ۔
ہیری کی بیوی پٹاری میں کھانا لے کر آ گئی ۔
" میں اس کھانے کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا " ہیری نے کہا ۔ " میں صرف وہ چیزیں کھاؤں گا جو ہمارے برفانی گودام میں رکھی ہیں ۔ جو دنیا کی پیداوار ہیں ۔ اپنے باغ کی ہر چیز مجھ پر حرام ہے ۔"
اس کی بیوی کھڑی اسے دیکھتی رہی ۔ " تم راکٹ نہیں بنا سکتے ۔"
" میں نے ایک زمانے میں کارخانے میں کام کیا تھا ۔ اس وقت میں بیس برس کا تھا ۔ دھات کی مجھے سمجھ بوجھ ہے ۔ ذرا راکٹ کی داغ بیل پڑ جائے تو دوسرے بھی میرا ہاتھ بٹانے لگیں گے ۔" اس نے ، کورا کی طرف دیکھے بغیر ، بلیو پرنٹ کھول کر پھیلاتے ہوئے ، کہا ۔
" ہیری ، ہیری " بیوی نے بے بسی کے عالم میں کہا ۔
" ہمارا یہاں سے جانا ضروری ہے ، کورا ، ضروری ہے !"

* * *

رات بھر ہوا چاندنی میں چمکتے ہوئے سنسان سبزہ زاروں میں ، جہاں کبھی سمندر کا پانی گردش کرتا ہو گا ، سائیں سائیں کرتی ان سفید شطرنج کے سہروں جیسے شہروں کے پاس سے گزرتی رہتی جو بارہ ہزار سال سے پایاب قطعوں میں ویران پڑے تھے ۔ دنیا والوں کی بستی میں ہیری کا مکان تبدیلی کے احساس سے لرزتا رہتا ۔
بستر میں لیٹے لیٹے ہیری کو محسوس ہوتا کہ اس کی ہڈیاں

اِدھر سے اُدھر ہو رہی ہیں ، لئے سانچے میں ڈھالی ، سونے کی طرح پگھلائی جا رہی ہیں ۔ اس کے پہلو میں لیٹی بیوی دھوپیلی سہ پہروں کی آنچ کھا کھا کر سانولی سلونی ہوگئی تھی ۔ سنہری اور گہری سانولی ، دھوپ سے تقریباً کالی ، وہ سوتی رہتی ، اور بچے اپنے اپنے بستروں پر جیسے دھات کے پتلے، اور ہوا کی گرج میں گہری اُداسی ، جو آڑو کے پرانے پیڑوں کو جھنجھوڑتی ، اودی گھاس کو ہلاتی ، سبز گلابوں کی پنکھڑیاں بکھیرتی ، آتی جاتی رہتی ۔

خوف روکے نہ رکتا تھا ۔ وہ اس کے دل میں بیٹھ گیا تھا ، گلا تھامے ہوئے تھا ۔ خوف پسینہ بن کر بازوؤں اور کنپٹی سے ٹپکتا تھا ، ہتھیلی کا رعشہ تھا ۔

مشرق میں ایک سبز ستارہ نمودار ہؤا ۔

ایک عجیب لفظ ہیری کے منہ سے نکلا : " عیورت ، عیورت ۔" اس نے وہ لفظ دھرایا ۔

وہ ایک مریخی لفظ تھا ۔ اسے مریخی زبان نہ آتی تھی ۔

آدھی رات کو اُٹھ کر اس نے سمپسن کو فون کیا جو آثارِ قدیمہ کا ماہر تھا ۔ " سمپسن ، عیورت کے کیا معنی ہیں ؟ "

" ارے یہ تو پرانی مریخی میں ہماری دنیا کو کہتے تھے ۔ کیوں ؟ "

" کوئی خاص بات نہیں ۔" اس کے ہاتھ سے ٹیلی فون چھوٹ گیا ۔ اِدھر وہ بیٹھا سبز ستارے کو دیکھتا رہا اُدھر ٹیلی فون میں یہ آواز آتی رہی : " ہیلو ، ہیلو ، ہیلو ، ہیلو ۔ ہیری ! ہیری ، تم کہاں ہو ؟ "

* * *

دن بھر دھات کی چادریں ٹھنٹھناتی رہتیں ۔ راکٹ کا ڈھانچا تیار کرنے میں تین بے پروا آدمیوں نے بادلِ ناخواستہ اس کا ہاتھ بٹایا ۔ گھنٹہ بھر کام کرنے کے بعد وہ بہت تھک گیا اور سستانے لگا ۔

" بلند جگہ پر سانس جلدی پھول جاتا ہے " ایک آدمی نے ہنس کر کہا ۔

" کچھ کھاتے پیتے بھی ہو ، ہیری ؟ " دوسرے نے پوچھا ۔

" میں کھاتا ہوں " ہیری نے طیش میں آ کر جواب دیا ۔

" اپنے برفانی گودام سے ؟ "

" ہاں ! "

" تم دبلے ہوتے جا رہے ہو ، ہیری ؟ "

" غلط ! "

" اور لمبے بھی ۔"

" جھوٹ بکتے ہو ! "

* * *

چند دن بعد اس کی بیوی نے اسے علیحدہ لے جا کر کہا : " برفانی گودام میں اب کچھ باقی نہیں رہا ، ہیری ۔ سب چیزیں ختم ہو چکیں ۔ مجھے مریخ پر پیدا ہونے والی خوردنی اشیا سے سینڈوچ بنانے پڑیں گے ۔"

وہ دھم سے نیچے بیٹھ گیا ۔ بیوی بولی : تمہیں ضرور کچھ نہ کچھ کھاتے رہنا چاہیے ۔ تم کمزور ہو گئے ہو ۔"

" ہاں " اس نے کہا ، ایک سینڈوچ اٹھایا ، اسے کھول کر دیکھا ، پھر ذرا ذرا سا کتر کتر کر کھانے لگا ۔ ادھر بیوی نے کہا :

" اور سنو ، آج کے دن کام کو چھٹی دو ۔ گرمی بہت ہے ۔ بچے سیر سپاٹے اور نہروں میں تیرنے کو کہہ رہے ہیں ۔ بھئی چلو نا ۔"

" میرے پاس فضول وقت نہیں ۔ یہاں جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں ! "

" صرف ایک گھنٹے کے لیے" بیوی نے تقاضا کیا ۔ " تیرنے سے تمھاری طبیعت بحال ہو جائے گی ۔"

پسینے میں نہایا ہؤا وہ اُٹھ کھڑا ہؤا : " اچھا ، اچھا ! میرا پیچھا چھوڑو ۔ میں آ جاؤں گا ۔"

سورج آگ برسا رہا تھا ، دن سناٹے میں تھا ۔ ایک مہیب ، ٹکٹکی باندھ کر دیکھتی ہوئی تپش دور دور تک پھیلی ہوئی تھی ۔ ماں باپ اور نہانے کا لباس پہنے ہوئے بھاگتے دوڑتے بچے نہر کے کنارے کنارے چلے جا رہے تھے ۔ انھوں نے ایک جگہ رک کر گوشت بھرے سینڈوچ کھائے ۔ ہیری نے ان کے جسموں کو تپ کر سنولاتے ہوئے دیکھا ۔ اس نے اپنی بیوی اور بچوں کی سنہری آنکھیں دیکھیں ، آنکھیں جو پہلے کبھی سنہری نہ تھیں ۔ کچھ وسوسے اس کے جسم میں کپکپانے لیکن دھوپ میں لیٹنے سے جو خوشگوار آنچ اسے پہنچ رہی تھی اس نے انھیں ٹکنے نہ دیا ۔ وہ اتنا تھکا ہؤا تھا کہ ڈر بھی نہ سکتا تھا ۔

" کورا ، تمھاری آنکھیں سنہری کب سے ہو گئیں ؟ "

وہ بھونچکی رہ گئی ۔ " ہمیشہ سے ہوں گی ، شاید ۔"

" میں یہ پوچھتا ہوں کہ ان کا رنگ پچھلے تین ماہ میں تو تبدیل نہیں ہؤا ؟ "

کورا ہونٹ چبانے لگی ۔ " نہیں ۔ تم کیوں پوچھ رہے ہو ؟ "

" جانے دو ۔"

وہ وہاں بیٹھے رہے ۔

" بچوں کی آنکھیں " ہیری نے کہا ، " وہ بھی سنہری ہو گئی ہیں ۔"

" بچے جب بڑے ہوتے ہیں تو بعض اوقات ان کی آنکھوں کا رنگ بدل جایا کرتا ہے ۔"

" شاید ہم بھی بچے ہی ہیں ۔ کم از کم مریخ کی نظر میں ۔ خیال اچھا ہے ۔" وہ ہنسا ۔ " سوچتا ہوں ، تیر لوں ۔"

دونوں نے نہر میں چھلانگ لگائی ۔ ہیری نے اپنے آپ کو پانی میں ڈوبنے دیا یہاں تک کہ وہ ڈوبتا ڈوبتا کسی سنہرے مجسمے کی مانند تہ سے جا لگا اور وہاں سبز خاموشی میں پڑا رہا ۔ ہر طرف پانی ہی پانی تھا ، خاموش اور گہرا ، امن ہی امن تھا ۔ اس نے محسوس کیا کہ آہستہ رو ، ہٹیلا دھارا آسانی سے اسے بہائے لیے جا رہا ہے ۔

اگر میں یہاں دیر تک پڑا رہوں ، اس نے سوچا ، تو پانی اپنا کام دکھائے گا اور میرا گوشت پوست گھلا دے گا یہاں تک کہ ہڈیاں مونگے کی طرح نظر آئیں گی ۔ بس میرا ڈھانچا رہ جائے گا ۔ اور پھر پانی اس ڈھانچے کو لے کر جو جی چاہے بنا سکتا ہے — ہری چیزیں ، گہرے پانی میں پائی جانے والی چیزیں ، لال چیزیں ، پیلی چیزیں ۔ تغیر ۔ تغیر ۔ آہستہ ، گہرا ، خاموش تغیر ۔ اور کہیں اوپر بھی یہی معاملہ تو نہیں ؟

اس نے سر سے اوپر آسمان کو ڈوبا ہوا دیکھا ، سورج کو فضا اور زمان و مکان کے ہاتھوں مریخی بنا ہوا پایا ۔

وہاں اوپر ، ایک بڑا دریا ہے ، اس نے سوچا ، مریخی دریا ، اور ہم سب ، اپنے کنکر پتھر گھروندوں ، اپنے غرقاب بولڈر گھروندوں میں دبکے ، جیسے جھینگا مچھلیاں چھپی بیٹھی ہوں ، اس کی گہرائیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں ، اور پانی ہمارے ہاوا آدم کے زمانے کے جسموں کو دھوتا جا رہا ہے اور ہڈیوں کو کھینچ کر لمبا کر رہا ہے اور —

اس نے ، دھیمی دھیمی روشنی میں ، اپنے آپ کو اوپر ، سطح کی طرف ، اٹھنے دیا ۔

ٹم ، نہر کے کنارے بیٹھا ، بڑی سنجیدگی سے باپ کا جائزہ لے رہا تھا ۔

اس نے کہا : " آوتھاہ ۔"

" کیا ؟ " باپ نے پوچھا ۔

لڑکا مسکرایا ۔ " مریخی میں ' ابا ' کو آوتھاہ کہتے ہیں ۔"

" یہ لفظ تم نے کہاں سے سیکھا ؟ "

" پتا نہیں ۔ بس یہیں کہیں سے ۔ آوتھاہ ! "

" کیا بات ہے ؟ "

لڑکا ہچکچایا ۔ " میں — میں اپنا نام بدلنا چاہتا ہوں ۔"

" بدلنا چاہتے ہو ؟ "

" ہاں ۔"

ماں تیر کر ان کے پاس آ گئی ۔ " جہاں تک نام کا تعلق ہے بھلا ٹم میں کیا خرابی ہے ؟ "

ٹم کسمسایا ۔ " کل آپ نے ' ٹم ، ٹم ' کہہ کر مجھے پکارا ۔ میں نے سنا تک نہیں ۔ میں نے دل میں کہا کہ یہ تو میرا نام نہیں ۔

میرا ایک نیا نام ہے جسے میں استعمال کرنا چاہتا ہوں ۔"

ہیری نے نہر کا کنارہ تھام لیا ۔ اس کا جسم سرد پڑ گیا تھا اور دل آہستہ آہستہ دھڑک رہا تھا ۔ " تمہارا نیا نام کیا ہے ؟ "

" لنعل ۔ یہ اچھا نام نہیں ہے کیا ؟ کیا میں اپنا یہ نام رکھ لوں ؟ بتائیے ؟ "

ہیری نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ لیا ۔ اسے راکٹ کا خیال آیا اور یہ کہ وہ بالکل اکیلا کام میں لگا ہوا تھا ، اپنے کنبے تک میں بالکل اکیلا تھا ، اس قدر اکیلا ۔

اس نے بیوی کو کہتے سنا ۔ " کیوں نہیں ؟ "

اس نے خود کو کہتے سنا ۔ " ہاں ، تم اپنا یہ نام رکھ سکتے ہو ۔"

" آہا ! " لڑکے نے نعرہ لگایا ۔ " میں لنعل ہوں ، لنعل ! " اور گھاس کے میدان میں دوڑا چلا گیا ۔

ہیری نے بیوی کی طرف دیکھا ۔ " ہم نے یہ کیوں کیا ؟ "

بیوی نے جواب دیا ۔ " مجھے نہیں معلوم ۔ بس یہ بات جی کو بھلی لگی ۔"

وہ چلتے چلتے پہاڑیوں کی طرف جا نکلے ۔ وہ ان فواروں کے پاس ، جو ابھی تک پانی اچھال رہے تھے ، قدیم منقش روشوں پر ٹہلتے رہے ۔ ساری گرمیوں روشوں پر ٹھنڈے ٹھنڈے پانی کا ورق بچھا رہتا ۔ سارے دن ننگے پاؤں اس طرح ٹھنڈے رہتے جیسے کسی ننھی منی ندی میں چھپ چھپ کرتے چلے جا رہے ہوں ۔

وہ ایک چھوٹے سے بے آباد مریخی مکان کے پاس پہنچے جو

پہاڑی کی چوٹی پر بنا ہؤا تھا ۔ وہاں سے وادی کا منظر خوب نظر آتا تھا ۔ نیلے مرمر کے ایوان ، منصور دیواریں ، نہانے کا تالاب ۔ اس تپتی گرمی میں بھی وہاں تازگی کا احساس ہوتا تھا ۔ مریخی بڑے شہروں کے قائل نہ تھے ۔

کورا نے کہا : " اگر گرمیاں گزارنے ہم اس مکان میں آ جائیں تو کتنا اچھا ہو ۔"

" چلو بھئی " اس نے کہا ۔ " قصبے کو واپس چلتے ہیں ۔ راکٹ پر ابھی خاصا کام باقی ہے ۔"

لیکن اس رات کام کرتے کرتے ٹھنڈے نیلے مرمر والے مکان کا خیال اس کے ذہن میں آیا ۔ جوں جوں گھڑیاں بیتتی گئیں ، راکٹ کم اہم معلوم ہونے لگا ۔

دنوں اور ہفتوں کے گزرنے گزرنے میں راکٹ دور پرے چلا گیا ، جیسے کوئی چیز جو ہر لمحے چھوٹی ہوتی جا رہی ہو ۔ پرانا جنون ختم ہو چکا تھا ۔ ہیری یہ سوچ کر کانپ اٹھتا تھا کہ اس نے اپنے عزم کو خاک میں ملتے دیکھا اور چپ بیٹھا رہا ۔ لیکن کسی نہ کسی طرح وہ گرمی ، وہ فضا ، جن حالات میں اسے کام کرنا پڑتا تھا وہ ـــــ

اس نے کارخانے کی ڈیوڑھی پر لوگوں کو منہ ہی منہ میں کہتے سنا ۔ " سب لوگ جا رہے ہیں ۔ تم نے سنا ؟ "

ہیری باہر آ گیا ۔ " کہاں جا رہے ہیں ؟ " اس کے سامنے گرد آلود سڑک پر بچوں اور فرنیچر سے لدے ہوئے دو ٹرک گزرے ۔

" پہاڑی حویلی ۔" آدمی نے کہا ۔

" ارے ہاں ، ہیری ۔ میں جا رہا ہوں ۔ سام بھی جا رہا ہے ۔ کیوں ، سام ؟ "

" ٹھیک کہتے ہو ۔ ہیری ، تمہارا کیا ارادہ ہے ؟ "

" مجھے تو یہاں کام کرنا ہے ۔"

" کام ! راکٹ کو پت جھڑ میں مکمل کر لینا ۔ تب موسم خنک ہو گا ۔"

" میں نے اس کا ڈھانچا بنا کر کھڑا کر لیا ہے ۔"

" پت جھڑ ہی بہتر ہے ۔" ان کی آوازوں میں کاہلی تھی گرمی کے مارے ۔

" کام کرنا ہے " ہیری نے کہا ۔

" پت جھڑ " انہوں نے سمجھایا ۔ اور وہ اتنے معقول اور حق بجانب معلوم ہوتے تھے ۔

" پت جھڑ کا موسم سب سے اچھا رہے گا " ہیری نے سوچا ۔ " بہت وقت ہو گا ، تب ۔" نہیں ! اس کی ذات کا ایک حصہ ، پس انداز کیا ہؤا ، مضبوطی سے مقفل ، گلو گرفتہ ، دور گہرائی سے ، چیخا ۔ نہیں ! نہیں !

" پت جھڑ میں " ہیری نے کہا ۔

" چلو بھئی ، ہیری " وہ سب بولے ۔

" ہاں " اس نے کہا اور گرم سیال ہوا میں اسے اپنا جسم پگھلتا ہؤا محسوس ہؤا ۔ " ہاں ، پت جھڑ میں ۔ میں اس وقت از سر نو کام کا آغاز کروں گا ۔"

" مجھے تو ترع نہر کے پاس مکان مل گیا ہے " کسی نے کہا ۔

" تمہارا مطلب ہے روز ویلٹ نہر کے پاس ، یہی ہے نا ؟ "

" ترع - قدیم مریخی نام ۔"

" مگر نقشے پر تو ــ"

" نقشے کو بھول جاؤ ۔ اب سے نہر کا نام ترع سمجھو ۔ اور بھئی مجھے تو کوہ ہیلان پر ٹھکانے کی جگہ مل گئی ہے ۔" ایک اور آدمی بولا ۔

" تمھارا مطلب ہے کوہ راک فیلر پر ؟ " ہیری نے دریافت کیا ۔

" میرا مطلب ہے کوہ ہیلان پر ۔" جواب ملا ۔

* * *

اگلے دن گرم ، پُر سکوت سہ پہر بھر گھر کے لوگ ٹرک پر سامان لادتے رہے ۔

لاؤرا ، ٹم اور ڈیوڈ بنڈل اٹھا اٹھا کر لاتے رہے ۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ طفل ، لنعل اور ذیرع بنڈل اٹھا اٹھا کر لاتے رہے کیونکہ اب وہ ان نئے ناموں کو ترجیح دیتے تھے ۔

چھوٹی ، سفید کاٹیج میں فرنیچر جوں کا توں چھوڑ دیا گیا ۔ "جب ہم ہوسٹن میں تھے تو یہ فرنیچر کیسا بھلا معلوم ہوتا تھا ۔ یہاں کاٹیج میں بھی جچتا تھا ۔ لیکن پہاڑی حویلی میں ؟ نہیں ۔ جب ہم جھڑ میں لوٹیں گے تو اسے اٹھا لے جائیں گے ۔" یہ ماں نے کہا ۔

ہیری چپ بیٹھا رہا ۔ " حویلی کے لیے کیسا فرنیچر موزوں رہے گا ، اس بارے میں کچھ باتیں میرے ذہن میں آئی ہیں " کچھ دیر بعد اس نے کہا ۔ " بڑی بڑی ، کاہلی پر اکسانے والی میز کرسیاں ، صوفے ، تخت اور مسہریاں ! "

" اور اپنی انسائیکلوپیڈیا کا کیا کرو گے ؟ آخر اسے ساتھ تو ضرور لے جاؤ گے ؟ "

ھیری دوسری طرف دیکھنے لگا ۔ " اگلے ھفتے آ کر اسے لے جاؤں گا ۔"

پھر انھوں نے اپنی بیٹی کو مخاطب کیا ۔ " ان کپڑوں کا کیا کرنا ھے جو تم نے نیو یارک میں سلوائے تھے ؟ "

حواس باختہ لڑکی انھیں دیکھتی رہ گئی ۔ " اوہ ، مجھے اب ان سے کوئی دلچسپی نہیں ۔"

انھوں نے بجلی اور پانی کا نل بند کر دیا ، دروازے مقفل کر دیے اور چل پڑے ۔ باپ نے ٹرک میں جھانکا اور کہنے لگا : " افوہ ، ھم تو کچھ زیادہ چیزیں ساتھ نہیں لے جا رھے ۔ اگر وہ تمام سامان مدِ نظر رکھا جائے جو ھم مریخ لے کر آئے تھے تو یہ چیزیں مٹھی بھر سے زیادہ نہیں ! "

اس نے ٹرک اسٹارٹ کیا ۔ چھوٹی ، سفید کاٹیج کو دیکھتے دیکھتے اس کے دل میں بڑی شدت سے یہ خواھش پیدا ھوئی کہ دوڑ کر جائے ، اسے چھوئے ، خدا حافظ کہے ، کیونکہ وہ یہ محسوس کر رھا تھا جیسے کوئی ایسی چیز چھوڑ کر کسی طویل سفر پر جا رھا ھو جس کے پاس وہ دوبارہ کبھی نہ آئے گا ، جسے دوبارہ کبھی سمجھ نہ پائے گا ۔

اسی وقت سام اور اس کے گھر والے ایک اور ٹرک میں پاس سے گزرے ۔ " ھیلو ، ھیری ! ھم چلے ! "

ٹرک قدیم شاھراہ پر چلتا ھؤا قصبے سے باھر نکل گیا ۔ ساٹھ ٹرک اور اسی سمت میں جا رھے تھے ۔ ان کی اڑائی ھوئی خاموش ،

بھاری دھول قصبے میں پھیلی ہوئی تھی ۔ نہروں کا پانی دھوپ میں نیلا نیلا چمک رہا تھا اور چپ چاپ سی ہوا انوکھے درختوں میں آ جا رہی تھی ۔

" خدا حافظ ، قصبے ! " ہیری نے کہا ۔

" خدا حافظ ، خدا حافظ ۔" گھر والوں نے ہاتھ ہلا ہلا کر کہا ۔

اس کے بعد انھوں نے مڑ کر نہ دیکھا ۔

* * *

گرمی ایسی پڑی کہ نہریں خشک ہوگئیں ۔ گرمی نے شعلے کی طرح رسنوں کو جھلس دیا ۔ دنیا والوں کے بے چراغ قصبے میں مکانوں کا پینٹ چٹخ چٹخ کر جھڑنے لگا ۔ ربڑ کے ٹائر ، جن پر بچے مکانوں کے چھواڑے جھولا کرتے تھے ، پھکتی ہوئی فضا میں یوں لٹکے ہوئے تھے جیسے بند گھنٹے کی لٹکن ۔

کارخانے میں راکٹ کے ڈھانچے میں زنگ لگنا شروع ہوگیا ۔

پُرسکون پت جھڑ میں ، ہیری ، جو اب بہت سانولا تھا اور جس کی آنکھیں بہت سنہری ہو چکی تھیں ، اپنی حویلی کے باہر کھڑا وادی کی طرف دیکھ رہا تھا ۔

" واپس جانے کا وقت آ پہنچا " کورا نے کہا ۔

" ہاں ، لیکن ہم واپس نہیں جائیں گے " ہیری نے کہا ۔ " وہاں اب رکھا ہی کیا ہے ۔"

" تمھاری کتابیں " وہ بولی ۔ " تمھارے نفیس کپڑے ۔"

" تمھاری ' اِلیں ' " وہ بولی ۔ " تمھارے ' عیور آوویلے رے ' ۔"

" قصبہ خالی پڑا ہے " اس نے جواب دیا ۔ " کوئی واپس

نہیں جا رہا ۔ واپس جانے کی کوئی وجہ بھی نہیں ، بالکل کوئی وجہ نہیں ۔"

بیٹی آرائشی پردے بنتی رہتی تھی ، بیٹے پرانے وقتوں کی بانسریوں اور مرلیوں پر گیتوں کی دھنیں بجایا کرتے تھے ، اور ان کے قہقہے مرمریں حویلی میں گونجتے رہتے تھے ۔

ہیری نے دور ، نشیبی وادی میں دنیا والوں کی آبادی پر نظر ڈالی ۔ " کتنے عجیب سے ، کتنے فضول سے مکان بنا گئے ہیں وہ دنیا والے ۔"

" ان سے بہتر مکان بنانے انہیں آتے ہی نہ تھے " بیوی نے رائے دی ۔ " کتنے بھونڈے لوگ تھے ۔ میں خوش ہوں کہ وہ چلے گئے ۔"

جو باتیں انھوں نے ابھی کی تھیں ان سے چونک کر وہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے ۔ انہیں ہنسی آ گئی ۔

" وہ آخر گئے کہاں ؟ " ہیری نے حیرانی کا اظہار کیا ۔ اس نے بیوی کے سراپے کو دزدیدہ نظر سے دیکھا ۔ وہ اپنی بیٹی کی طرح سنہری اور چھریری تھی ۔ بیوی نے اس کی طرف دیکھا ، اور وہ اسے اتنا ہی نوخیز معلوم ہؤا جتنا کہ ان کا بڑا بیٹا تھا ۔

" مجھے پتا نہیں " وہ بولی ۔

" ہم شاید اگلے برس قصبےواپس جائیں یا اگلے سے اگلے برس یا اس سے بھی اگلے برس " اس نے بڑے سکون سے کہا ۔ " اس وقت ، مجھے ہلکی سی گرمی محسوس ہو رہی ہے ۔ تیرنے کے متعلق کیا خیال ہے ؟ "

انھوں نے وادی کی طرف سے منہ موڑ لیا ۔ بانہوں میں بانہیں ڈالے وہ ایک چھوٹی سی صاف شفاف ندی میں یوں چلتے گئے جیسے وہ کوئی پگڈنڈی ہو ۔

* * *

پانچ سال بعد ، ایک راکٹ آسمان سے وادی میں گرا ۔ اس میں سے بہت سے آدمی چیختے چلاتے ہوئے نکلے ۔

" ہم نے دنیا پر جنگ جیت لی ! ہم تمھیں نجات دلانے یہاں آئے ہیں ! ہوت ! "

لیکن کاٹیجوں ، آڑو کے درختوں اور نائک گھروں پر مشتمل امریکی وضع کے قصبے پر خاموشی چھائی رہی ۔ آنے والوں کو ایک خالی کارخانے میں ایک راکٹ کا نیم مکمل ڈھانچا ملا ۔

انھوں نے پہاڑیوں کی خاک چھاننی شروع کی ۔ ان کے افسر نے ایک متروکہ بار کو اپنا ہیڈ کوارٹر قرار دیا ۔ ماتحت لفٹننٹ نے آ کر یوں رپورٹ دی : " شہر تو سنسان پڑا ہے ، لیکن پہاڑیوں میں ہماری دیسی باشندوں سے ملاقات ہوئی ، جناب ۔ گہری سانولی رنگت ۔ سنہری آنکھیں ۔ بڑے ملنسار ۔ ہم نے ذرا باتیں کی ، زیادہ نہیں ۔ انگریزی وہ بڑی جلدی سیکھ جاتے ہیں ۔ مجھے یقین ہے ، جناب ، کہ ہمارے ان کے تعلقات انتہائی دوستانہ ثابت ہوں گے ۔"

" گہرے سانولے ، ہوں ؟ " افسر نے غور کیا ۔ " کتنے ہیں ؟ "

" میرے اندازے کے مطابق چھ ، آٹھ سو ہوں گے ۔ وہ پہاڑیوں پر ان مرمریں کھنڈروں میں رہتے ہیں ، جناب ۔ قد

آور ، صحت مند ۔ خوبصورت عورتیں ۔"

" کیا انھوں نے کچھ بتایا کہ وہ دنیا والے کہاں گئے جنھوں نے یہ قصبہ تعمیر کیا تھا ؟ "

" انھیں بالکل پتا نہیں کہ اس قصبے پر یا اس میں رہنے والوں پر کیا بیتی ۔"

" عجیب بات ہے ۔ ان مریخیوں نے انھیں مار تو نہیں دیا ، کیا خیال ہے تمھارا ؟ "

" وہ حیرت انگیز طور پر پرامن معلوم ہوتے ہیں ۔ امکان یہ ہے کہ یہ قصبہ کسی وبا کا شکار ہو گیا ۔"

" شاید ۔ میں سمجھتا ہوں یہ ان پراسرار حادثات میں سے ایک ہے جس کی تہ تک ہم کبھی نہ پہنچ سکیں گے ۔ اس طرح کے پراسرار واقعے قصے کہانیوں میں پڑھے تھے ۔"

افسر نے کرے کا جائزہ لیا ، گرد آلود کھڑکیوں ، دور پرے بلند و بالا نیلے کوہساروں ، روشنی میں چلتی نہروں کو دیکھا ، فضا میں دھیمی ہوا کی آواز سنی ۔ اس پر کپکپی طاری ہوگئی ۔ پھر ، اس نے سنبھل کر ایک بڑی تقطیع کے تازہ نقشے پر ، جسے وہ ایک خالی میز پر چسپاں کر چکا تھا ، انگلیوں سے دستک دی ۔

" بہت کام کرنا ہے ، لفٹننٹ ۔" وہ یکساں لہجے میں بولتا رہا ، بولتا رہا اور ادھر سورج نیلی پہاڑیوں کے پیچھے غروب ہو گیا ۔ " نئی آبادیاں ۔ مقامات جہاں کان کنی ممکن ہو ، معدنیات کی تلاش ۔ جراثیم کے نمونے اکٹھے کرنے ہیں ۔ کام ، اتنا بہت سا کام ۔ اور پرانے ریکارڈ سب ضائع ہوگئے تھے ۔ ہمیں نئے سرے سے نقشے تیار کرنے پڑیں گے ، پہاڑوں اور دریاؤں اور اسی

قسم کی چیزوں کے نئے نام رکھنے پڑیں گے ۔ ذرا تخیل کی ضرورت پڑے گی ۔

" تمھاری کیا رائے ھے ، اس پہاڑ کا نام کوہ لنکن ، اس نہر کا واشنگٹن کنال رکھ دیا جائے ۔ اور ان پہاڑیوں کا ، بھئی ان کو تمھارا نام دیا جا سکتا ھے ، لفٹننٹ ۔ حکمتِ عملی اسے کہتے ھیں ۔ اور تم اس کے بدلے ، از راہِ کرم ، کسی قصبے کا نام میرے نام پر رکھ دینا ۔ اور اس وادی کا نام وادیٔ آئن سٹائن کیوں نہ رکھ دیا جائے ، اور مزید براں... بات سن رھے ھو ، لفٹننٹ ؟ "

لفٹننٹ نے فی الفور اپنی آنکھیں اِدھر پھیر لیں جو شہر سے پرے پہاڑیوں کے نیلے رنگ اور پرسکوت دھند پر جمی ھوئی تھیں ۔

" کیا ؟ اوہ ، جی ھاں ، جناب ! "

یہ جہانِ مرغ و ماہی

آئزک ازیموف

سفید پاؤڈر ایک مہین جلد والے ، شفاف کیپسول میں بند تھا ۔ وہ کیپسول خود ایک خاص قسم کی باریک جھلی کی دوہری تہ میں محصور تھا ۔ اسی لمبی دھجی جیسی جھلی میں چھ چھ انچ کے فاصلے پر دوسرے کیپسول تھے ۔

جھلی چل رہی تھی ۔ ہر کیپسول باری باری سے ایک ابرقی کھڑکی کے نیچے ایک فلزاتی دھانے میں منٹ بھر کے لیے ٹھیرتا ۔ تابکاری پیما کے ایک کونے میں لگی ہوئی کاغذ کی پھرکی پر کچھ ہندسے چھپ جاتے ۔ اس کے بعد وہ کیپسول آگے بڑھ جاتا ، اس کی جگہ دوسرا کیپسول لے لیتا ۔

ایک بج کر پینتالیس منٹ پر جو نمبر چھپا تھا وہ ۳۰۸ تھا ۔ ایک منٹ بعد ۲۵۶ چھپا ۔ ایک منٹ بعد ۳۹۱ ۔ ایک منٹ بعد ۴۷۷ ۔ ایک منٹ بعد ۲۰۲ ۔ ایک منٹ بعد ۲۵۱ ۔ ایک منٹ بعد ۰۰۰ ۔ ایک منٹ بعد ۰۰۰ ۔ ایک منٹ بعد ۰۰۰ ۔

* * *

دو بجے ہی تھے کہ جوہانی سن تابکاری پیما کے پاس سے گزرا اور اس نے ہندسوں کی لمبی لکیر پر اچٹتی سی نظر ڈالی ۔ دو قدم آگے بڑھنے کے بعد وہ بے اختیار پلٹ آیا ۔

اس نے کاغذ کی پھرکی کو اُلٹا چلا کر پچھلے نمبر دیکھے ، سیدھا گھما کر ٹھیک کیا اور کہنے لگا : " یہ کیا بکواس ہے !" یہ بات اس نے خاصے طیش کے ساتھ کہی تھی ۔ وہ تھکا تھکا اور ہکا بکا نظر آ رہا تھا ۔

جین ڈسیلی ، جو اسی کی طرح جوہری مرکزیے کی طبیعات کا عالم تھا ، خراماں خراماں چلتا ہؤا اس کے پاس آ کھڑا ہؤا اور کہنے لگا : " میرے تابکاری پیما کو پتا نہیں کیا ہؤا ، بالکل چپ پڑا ہے ۔ اب اس وقت اسے کھول کر تار پیچ دیکھنے بھالنے کو جی نہیں چاہ رہا ۔ تمھارے پاس سگریٹ ہے ؟ "

جوھانی سن نے پیکٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا : " عمارت کے دوسرے تابکاری پیماؤں کا کیا حال ہے ؟ "

" ابھی دیکھا تو نہیں ، لیکن سب کیا خراب ہوئے ہوں گے ۔"

" کیوں نہیں ۔ میرا تابکاری پیما بھی بے کار ہو گیا ہے ۔"

" ارے یار ، چھوڑو یہ باتیں ۔ آؤ ، چل کر ایک ایک کوکا کولا ہو جائے ۔"

جوھانی سن نے کچھ گرم ہو کر کہا : " نہیں ! میں جارج ڈیوک کے پاس جا رہا ہوں ۔ میں اس کا تابکاری پیما دیکھنا چاہتا ہوں ۔ اگر وہ بھی خراب ہو گیا ہے تو ۔"

ڈسیلی نے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہا : " وہ خراب نہیں ہؤا ہو گا ۔ بیوقوفی کی باتیں مت کرو ۔"

* * *

جارج ڈیوک نے جوھانی سن کی بات سنی اور ناپسندیدگی سے

اسے گھورتا رہا ۔ اس نے موٹی سی عینک لگا رکھی تھی ۔ وہ ان نوجوانوں میں سے تھا جو قبل از وقت بوڑھے نظر آنے لگتے ہیں ۔ اس کے سر پر تھوڑے سے بال رہ گئے تھے ۔ وہ غرایا : "میں مصروف ہوں ۔"

"اتنے مصروف ہو کیا کہ اپنے تابکاری پیما کے بارے میں ذرا سی بات نہیں بتا سکتے ۔ حد ہو گئی ۔"

ڈیوک آٹھ کھڑا ہؤا : "اس دفتر میں آدمی کام کرے تو کیسے کرے !" اس نے مڑ کر اپنی تجرباتی میز کا رخ کیا جو چیزوں سے اٹی پڑی تھی ۔ اس نے ایک طرف سے سیسے کے دو بھاری بھاری ڈھکن آٹھائے اور ایک دو فٹ لمبے چمٹے کی مدد سے ایک ننھا منا سا روپہلا گٹا نکالا ۔ پھر اس نے روکھے انداز میں کہا : "آگے مت آنا ۔"

اس مشورے کی جوھانی سن کو ضرورت نہ تھی ۔ اسے کیا پڑی تھی کہ آگے بڑھ کر اپنے جسم کو تابکار شعاعوں کے سامنے کر دیتا ۔ اسی طرح چمٹے سے پکڑے پکڑے ڈیوک نے چمکیلے گٹے کو تابکاری پیما کی کھڑکی کے سامنے کیا ۔ دو فٹ دور ھی سے آلے میں چڑچڑ شروع ہو جانی چاھیے تھی ، لیکن کوئی آواز پیدا نہ ہوئی ۔

حیرت کے مارے ڈیوک کے ھاتھ سے چمٹا چھوٹ گیا ۔ اس نے کسی جنونی کی طرح لپک کر چمٹا اور پھر اس کی مدد سے گٹا آٹھایا اور اسے دوبارہ کھڑکی کے زیادہ پاس لے گیا ۔ کوئی آواز نہ آئی ۔ جس تختی پر شمار کے ھندسے درج تھے وھاں روشنی کے نقطے نمودار نہ ہوئے ۔

جوھانی سن بولا : " تابکاری بیا کو تو سچ مچ سانپ سونگھ گیا ھے ۔"

ڈسیلی نے کہا : " باپ رے باپ ! "

ڈیوک نے گئے کو دوبارہ سیسے کے ڈھکنوں کے نیچے چھپا دیا اور تابکاری بیا کو غصے سے گھورنے لگا ۔

* * *

آگے آگے جوھانی سن ، پیچھے پیچھے ڈسیلی ، دونوں آندھی کی طرح بل ایورارڈ کے کمرے میں داخل ھوئے ۔ وھاں جوھانی سن ایورارڈ کی چمکیلی میز پر ھاتھ رکھے ، آگے کو جھکا ھؤا ، کئی منٹ تک بڑے جوش و خروش سے بولتا رھا ۔ اس کی بات سن کر ایورارڈ کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی ، اس نے متحیر ھوکر ڈسیلی کی طرف دیکھا اور پھر کہنے لگا : " میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سارے تابکاری بیا بیک وقت کیسے خراب ھو سکتے ھیں ؟ "

جوھانی سن نے جواب دیا : " سمجھ میں آئے یا نہ آئے ، حقیقت یہ ھے کہ سارے آلے تقریباً دو بجے بند ھو چکے ھیں ۔ اب ایک گھنٹہ گزر گیا ھے اور ان میں سے ایک بھی دوبارہ چالو نہیں ھؤا ۔ حد یہ ھے کہ جارج ڈیوک بھی اس بارے میں کچھ نہیں کر سکتا ۔ اصل میں تابکاری بیاؤں کا قصور نہیں ۔"

" ابھی تو تم انھیں قصور وار ٹھیرا رھے تھے ۔"

" میں یہ کہہ رھا تھا کہ انھوں نے کام کرنا چھوڑ دیا ھے ۔ اس کی وجہ یہ ھے کہ اب کوئی ایسی چیز ھی نہیں جس کی وہ پیمائش کریں ۔"

" کیا مطلب ؟ "

" میرا مطلب ہے کہ اس عمارت میں تابکاری کا نام نشان باقی نہیں ۔ آزمائش شرط ہے ۔"

" مجھے یقین نہیں آتا ۔"

" دیکھیے ، اگر کوبالٹ کے گٹے کا تابکاری پیمانوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا تو ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ وہ سب خراب ہو گئے ہیں ، لیکن جب اس گٹے سے تابکاری کا کوئی اور کام بھی نہیں لیا جا سکتا تو اس کا مطلب صرف یہی ہے کہ اس میں تابکاری کی صلاحیت ختم ہو گئی ہے ۔"

" چلو ، میں کہتا ہوں کہ غلطی سے اس گٹے میں تابکار مادہ شامل ہونے سے رہ گیا ہے ۔"

" لیکن یہی گٹا صبح اچھا بھلا کام دے رہا تھا ۔ خیر ، اسے چھوڑیے ۔ میں چوتھی منزل سے یہ بچ بلینڈ دھات کا دو سیر کا ٹکڑا اٹھا لایا ہوں ۔ اس کا بھی آلے پر اثر نہیں ہوتا ۔ اب آپ یہ کہیں گے کیا کہ خدا نے غلطی سے اس میں یورینیم کا عنصر شامل نہیں کیا ؟ "

ایورارڈ نے لاجواب ہو کر سر کھجاتے ہوئے ڈسیلی سے پوچھا :

" اس بارے میں تمہارا کیا خیال ہے ؟ "

" جنابِ عالی ، مجھے کچھ پتا نہیں ۔"

جوھانی سن نے کہا : " غور و فکر کرنے کا اب وقت نہیں ۔ آپ فوراً واشنگٹن فون کیجیے ۔"

" وہ کیوں ؟ " ایورارڈ نے پوچھا ۔

" میرا خیال ہے کہ کسی دشمن ملک نے تابکاری کو نیست و

نابود کرنے کا طریقہ دریافت کر لیا ہے اور اب اپنی ایجاد کو امریکہ کے خلاف استعمال کر رہا ہے تاکہ ہمارے تمام جوہری بم بےکار ہو جائیں ۔ اس کا یہ مطلب ہؤا کہ وہ ملک حملہ کرنے ہی والا ہے ۔ آپ فوراً واشنگٹن کو مطلع کیجیے ۔"

ایورارڈ نے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا ۔

* * *

چار بجنے میں پانچ منٹ تھے جب ایورارڈ نے فون واپس چونگے میں رکھا ۔

" یہ وزارتِ دفاع کے سیکریٹری صاحب بات کر رہے تھے؟" جوھانی سن نے پوچھا ۔

" ہاں " ایورارڈ نے جواب دیا ۔ اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے تھے ۔

" اچھا ، تو انھوں نے کیا کہا آپ سے ؟ "

" میاں ، انھوں نے یہ کہا کہ کون سے جوہری بم ! "

جوھانی سن ششدر رہ گیا : " یہ کیا بات ہوئی کہ کون سے جوہری بم ۔ اوہ ، میں سمجھا ! انھیں پتا چل گیا ہے کہ اب ان کے جوہری بم دو کوڑی کے بھی نہیں اس لیے وہ بات پر پردہ ڈال رہے ہیں ۔"

ایورارڈ نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر غضب ناک نگاہوں سے جوھانی سن کی طرف دیکھا : " سنو ، بھئی ، مجھے پتا ہے کہ تم نے اس عرصے میں ضرورت سے زیادہ کام کیا ہے ۔ تمھارے اعصاب پر غیر معمولی محنت کا کچھ اثر پڑنا بالکل فطری ہے ۔ اسی لیے میں اس وقت بردباری سے کام لے رہا ہوں ۔ تاہم ،

حیرت اس بات پر ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے تم نے مجھے بھی چکر میں ڈال دیا ۔ آئندہ میرے پاس آ کر ایسی مہمل باتیں نہ کرنا ۔"

جوھانی سن کا رنگ اڑ گیا : " یہ مہمل بات تو نہیں ۔ کیا سیکریٹری صاحب نے آپ سے یہ کہا ؟ "

" سیکریٹری نے کہا کہ میں احمق ہوں اور واقعی میں احمق ہوں ۔ انھوں نے کہا کہ یہ کیا جوھری بموں کے قصے سنا رہے ہو ۔ میرا وقت ضائع مت کرو ۔ جوھری بم کس چڑیا کا نام ہے ؟ میں نے تو کبھی اس کا ذکر نہیں سنا ۔"

" جوھری بموں کا ذکر نہیں سنا ؟ آپ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں ؟ "

" میں نے آج تک جوھری بموں کا نام نہیں سنا ۔ تم آج غالباً کوئی بچوں کا کومک پڑھ کر آئے ہو ۔"

" جوھانی سن تنگ آ کر ڈمیلی سے مخاطب ہوا : " یار ، تم ہی کچھ کہو ۔ طبیعات دان تو تم بھی ہو ۔"

ڈمیلی نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا : " میں اس معاملے میں نہیں پڑنا چاہتا ۔"

" بہت اچھا " جوھانی سن نے کہا اور ذرا آگے جھک کر ان کتابوں پر نظر ڈالی جو ایورارڈ کی کرسی کے پیچھے الماری میں سجی ہوئی تھیں ۔ " سمجھ میں تو نہیں آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے لیکن میں ہار ماننے والا نہیں ۔ گلیسٹن کی کتاب کدھر ہے ؟ "

" وہ رہی " ایورارڈ نے بتایا ۔

" نہیں ۔ وہ تو طبیعاتی کیمیا کی درسی کتاب ہے ۔ مجھے اس کی وہ کتاب چاہیے جو جوہری توانائی پر حرفِ آخر سمجھی جاتی ہے ۔"

" ایسی کتاب تو کوئی نہیں ! "

" آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں ۔ جوہری توانائی والی کتاب میں نے ہمیشہ اس الماری میں رکھی دیکھی ہے ۔"

" ایسی کتاب کوئی نہیں ! " ایورارڈ نے اور بضد ہو کر جواب دیا ۔

" میرا خیال ہے پھر آپ نے کامن کی بیالوجی اور تابکاری نامی کتاب بھی کبھی نہ دیکھی ہو گی ؟ "

" نہیں ۔"

تھک ہار کر جوھانی سن نے گیسٹن کی طبیعاتی کیمیا الماری سے نکالی اور اسی کی ورق گردانی کرنے لگا ۔ کتاب کا تازہ ترین ایڈیشن تھا ۔ اس میں ہر چیز موجود تھی لیکن تابکاری کا کہیں ذکر نہ تھا ۔ کئی دفعہ صفحے اُلٹنے پلٹنے کے بعد بھی کامیابی نہ ہوئی تو اس نے پریشان ہو کر وہ صفحہ نکالا جس پر عناصر کی جدول چھپی ہوئی تھی ۔ ایک ہی نظر میں اسے پتا چل گیا کہ صرف اکاسی* عنصر دیے ہوئے ہیں ، یعنی وہ اکاسی جو تابکار نہیں ہیں ۔

جوھانی سن کا حلق خشک ہوگیا ۔ اس نے بیٹھی بیٹھی آواز میں ایورارڈ سے کہا : " میرا خیال ہے آپ نے یورینیم کا نام بھی نہ سنا ہو گا ؟ "

" نہیں " ایورارڈ نے جواب دیا ۔ " یہ کوئی پیٹنٹ دوا ہے ؟"

---

* کل کیمیاوی عنصر ایک سو تین ہیں ۔

جوھانی سن نے کتاب میز پر پٹک دی : " میں ھار مان گیا ۔ مجھ سے مذاق کرنے کے لیے یہ جعلی کتاب آپ نے یہاں لا رکھی ھے ۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کی ۔

ایورارڈ نے کہا : " جوھانی سن ، بیوقوف مت بنو ۔ تم گھر جاؤ اور کسی ڈاکٹر سے رجوع کرو ۔ ڈمیلی ، تمھاری بڑی نوازش ھو گی اگر کوئی ٹیکسی لے کر جوھانی سن کو گھر چھوڑ آؤ ۔"

" میں بالکل ٹھیک ٹھاک ھوں ۔" جوھانی سن نے کہا اور غیر یقینی کے عالم میں وھاں کھڑا رھا ۔ پھر اس کی نظر ایک تابکاری پیما پر پڑ گئی ۔ وہ چیخا : " یہ تابکاری پیما یہاں کیوں رکھا ھے ؟ آخر اس سے کیا کام لیا جاتا ھے ؟ "

" یہاں کوئی تابکاری پیما نہیں ھے ۔ جس چیز کی طرف تم اشارہ کر رھے ھو وہ حساب لگانے کی مشین ھے ۔"

جوھانی سن نے دیوار پر لگی ھوئی ایک تختی کی طرف اشارہ کیا : " تو پھر یہ کیا لکھا ھے ؟ ج ۔ ت ۔ ک ۔ کیا اس کا مطلب یہ نہیں ؟ جوھری ! توانائی ! کمیشن ! " اس نے ھر لفظ کو علیحدہ علیحدہ بڑی تاکید سے ادا کیا ۔

ایورارڈ نے بھی جواب میں اسی انداز سے کہا : " جاداتی ! تحقیق ! کمیشن ! ڈمیلی ، اسے گھر چھوڑ آؤ ۔"

* * *

باھر سڑک پر پہنچ کر جوھانی سن نے ڈمیلی کو سمجھانے کی کوشش کی ۔ وہ سرگوشی کرتے ھوئے بولا : " ڈمیلی ، تم اس آدمی کا ساتھ نہ دو ۔ ایورارڈ دشمنوں سے مل گیا ھے ۔ ذرا سوچو ، جعلی کتاب کمرے میں رکھی ھوئی ھے اور مجھے پاگل قرار دینے

کی فکر میں ہے ۔"

ڈمیلی نے ہموار لہجے میں کہا : " تحمل سے کام لو ، جوھانی سن ۔ تم خواہ مخواہ مشتعل ہو رہے ہو ۔ ایورارڈ نے کوئی زیادتی نہیں کی ہے ۔"

" کیا تم نے اس کی باتیں نہیں سنیں ؟ اس نے کبھی جوھری بم کا نام ھی نہیں سنا ! اور یورینیم کسی دوا کا نام ہے ۔ ایسے آدمی کو صحیح الدماغ قرار دینا زیادتی ہے ۔"

" اگر سچ پوچھو تو جوھری بم کا نام میں نے بھی کبھی نہیں سنا اور مجھے بھی پتا نہیں کہ یورینیم کس بلا کا نام ہے ۔ ٹیکسی ! "

ٹیکسی رکی تو ڈمیلی نے بڑھ کر دروازہ کھولا اور اشارے سے جوھانی سن کو اندر جانے کو کہا ۔ مارے غصے کے جوھانی سن کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا ۔ اس نے ڈمیلی کے ھاتھ سے دروازہ چھڑا کر دھڑ سے بند کیا اور ٹیکسی ڈرائیور کو چیخ کر ایک پتا بتایا ، پھر چلتی ٹیکسی کی کھڑکی سے سر نکال کر چیخا : " ڈمیلی ، جا کر اپنے اس ایورارڈ سے کہہ دو کہ وہ اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب نہیں ہو سکتا ۔ میں سب سمجھ گیا ہوں ۔"

اسے اب بھی ڈر تھا کہ کہیں ڈمیلی نے یہ سن نہ لیا ہو کہ اس نے ڈرائیور کو خفیہ پولیس کے دفتر چلنے کو کہا ہے ۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے ایورارڈ متعلقہ حکام سے فون پر کہہ دے کہ ایک پاگل تمہارے پاس آ رہا ہے ۔ خیر ، میرے پاس بھی بڑے ٹھوس ثبوت موجود ہیں ۔ لیکن اس تمام بھاگ دوڑ کا اب حاصل کیا تھا ؟ دشمن حملہ کیا چاھتا

ہے اور ڈسیلی اور ایورارڈ جیسے لوگ... غدار کہیں کے ۔

یکایک اسے ہوش سا آ گیا ۔ اس نے آواز دی : "ڈرائیور !"

دوبارہ آواز دی ۔ جواب ندارد ۔ آگے بیٹھے ہوئے آدمی نے مڑ کر بھی نہ دیکھا ۔ گاڑی مزے سے چلتی رہی ۔ جوھانی سن نے سیٹ سے اٹھنے کی ناکام کوشش کی ۔ اس کا سر گھوم رہا تھا ۔ بہرحال ، یہ حقیقت اس پر واضح ہو چکی تھی کہ ڈرائیور خفیہ پولیس کے دفتر کی بجائے اس کے گھر کی طرف جا رہا تھا ۔ لیکن اسے یہ پتا کیسے چلا کہ جوھانی سن کہاں رہتا ہے ؟ معلوم ہوتا ہے یہ ڈرائیور بھی سازش میں شریک ہے اور باہر ٹیکسی میں اسی کا منتظر تھا ۔ کس غضب کی تنظیم ہے ان دشمنوں کی ۔ ان سے بھلا کون جیت سکتا ہے ۔ جوھانی سن کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھاتا گیا ، کانوں میں سائیں سائیں ہو رہی تھی ۔ اسے ہوش نہ رہا ۔

* * *

وہ اپنے چھوٹے سے دو منزلہ خشتی مکان کے سامنے کھڑا تھا ۔ ٹیکسی سے اترنا اسے یاد نہ تھا ۔ اس نے مڑ کر دیکھا ۔ وہاں کوئی ٹیکسی نہ تھی ۔ وہ مکان کی طرف بڑھا ۔ اس کی بیوی ، مرسی ، دروازے میں کھڑی تھی ۔ بظاہر اسے اس بات پر کوئی تعجب نہ تھا کہ وہ وقت سے پہلے کیوں واپس آ گیا ہے ۔

جوھانی سن نے کہا : " ہمیں فوراً سے پیشتر یہاں سے نکل جانا چاہیے اور —"

" مجھے سب پتا ہے " وہ بولی ۔ " تم اندر تو آؤ ۔" وہ اس لمحے اسے کوئی آسمانی ہستی معلوم ہوئی ۔ ہلکے سنہرے بال ، بیچ میں مانگ نکلی ہوئی ، پیچھے پونی ٹیل ، نیلگوں آنکھیں ،

بھرے بھرے ہونٹ اور چھوٹے چپٹے سے کان ۔ جوھانی سن نے محسوس کیا کہ وہ اپنے اضطراب پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رھی ھے ۔

اس نے پوچھا : " تمھیں کس نے فون کیا ؟ ڈمیلی نے یا ایورارڈ نے ؟ "

" ایک صاحب ھم سے ملنے آئے ھیں " وہ بولی ۔

وہ مجھ سے پہلے اس کے پاس پہنچ گئے ھیں ، جوھانی سن نے دل میں کہا ۔ اب کیسے بچا اور بھاگا جائے ۔ اسے یقین تھا کہ اندر بیٹھک میں ایک خطرناک قسم کا آدمی کھڑا ھو گا ، پہلوانوں جیسا جسم ، بھاری سی وحشیانہ آواز اور بدیسی لب و لہجہ ، اور اس کا ایک ھاتھ کوٹ کی جیب میں ھوگا ، پستول کو مضبوطی سے تھامے ھوئے ۔ وہ اس طرح اندر داخل ھؤا جیسے اس پر سکتہ طاری ھو ۔

* * *

ملاقاتی کھڑا ھؤا تھا ۔ اس کا چہرہ مہرہ بالکل غیر حقیقی لگتا تھا ، بالکل اسی طرح جیسے کوئی حد درجہ مکمل چیز غیر حقیقی معلوم ھونے لگتی ھے ۔ اس کا چہرہ اور جسم بالکل بے عیب تھا اور انفرادیت سے قطعی عاری ۔ اس کا لب و لہجہ کسی پیشہ ور ریڈیائی اعلانچی کے لہجے سے مشابہہ تھا ، جچا تلا اور غیر جذباتی ۔

" آپ کو گھر تک لانا خاصا دقت طلب کام ثابت ھؤا ، ڈاکٹر جوھانی سن " وہ بولا ۔

جوھانی سن نے جواب دیا : " آپ کا مقصد کچھ بھی ھو ،

صورتِ حال کیسی ھی ھو ، میں ھرگز آپ کے ساتھ تعاون نہ کروں گا ۔"

مرسی نے فوراً کہا : " نہیں ، جانی ، تم سمجھے نہیں ۔ ھم دونوں کافی باتیں کر چکے ھیں ۔ ان صاحب نے بتایا ھے کہ آج سے تمام تابکاری ختم ھو گئی ھے ۔"

" ھاں ، مجھے پتا ھے ۔ کاش کہ یہ صاحب ، جو معلوم ھوتا ھے لانڈری سے دھل کر آئے ھیں ، بتا سکتے کہ یہ کیسے ھؤا ۔ میں نے کہا تم امریکی ھو یا ؟ "

مرسی نے کہا : " تم اب بھی نہیں سمجھے ۔ تابکاری کا وجود دنیا بھر میں ختم ھو چکا ھے ۔ یہ صاحب دنیا کے رھنے والے نہیں ھیں ۔ میری طرف اس طرح نہ دیکھو ، جانی ۔ ان کی طرف دیکھو ۔"

ملاقاتی مسکرایا ۔ وہ بڑی مکمل مسکراھٹ تھی ۔ وہ بولا : " میں جس جسم میں آپ کے سامنے ظاھر ھؤا ھوں اسے انسان کے ھر پہلو کو مدِ نظر رکھ کر بنایا گیا ھے ۔ پھر بھی یہ محض مادہ ھے اور پوری طرح میرے قابو میں ھے ۔" یہ کہہ کر اس نے اپنا ھاتھ پھیلایا اور کھال غائب ھوگئی ۔ سارے رگ ریشے جوڑ اور پٹھے صاف صاف نظر آنے لگے ۔ پھر رگیں غائب ھو گئیں ۔ لیکن ان میں دوڑنے والا خون اسی طرح دوڑتا رھا ۔ آخر میں صرف چکنی بھوری ھڈیاں رہ گئیں ۔ چند لمحے بعد وہ بھی نظر آنی بند ھو گئیں ۔

اس کے بعد ھاتھ دوبارہ نظر آنے لگا ۔

جوھانی سن بڑبڑایا : " نظر بندی ! "

" قطعاً نہیں " ملاقاتی نے اطمینان سے جواب دیا ۔

" آپ آئے کہاں سے ہیں ؟ " جوھانی سن نے دریافت کیا ۔
ملاقاتی نے کہا : " یہ سمجھانا مشکل ہے ۔ اس سے فرق کیا پڑتا ہے ؟ "

" آخر مجھے بھی تو پتا چلے کہ یہ کیا ہو رہا ہے " جوھانی سن گرجا ۔ " اتنی سی بات آپ کی سمجھ میں نہیں آتی ؟ "

" آتی ہے ۔ اسی لیے میں یہاں آیا ہوں ۔ اس لمحے میں آپ لوگوں کے اس سیارے پر ایک سو سے زیادہ لوگوں سے گفتگو کر رہا ہوں ۔ میں ان سب سے مختلف جسموں میں ملاقات کر رہا ہوں کیونکہ جہاں تک ظاھری حلیے کا تعلق ہے نوعِ انسانی کے مختلف طبقوں کے معیار اور رجحان مختلف ہیں ۔"

جوھانی سن کو ایسا لگا کہ وہ پاگل ہو گیا ہے ۔ اس نے پوچھا : " کیا آپ مریخ سے آئے ہیں ؟ یا کسی اور ایسی جگہ سے ؟ کیا آپ دنیا پر قبضہ کر رہے ہیں ؟ کیا اسے جنگ کا آغاز سمجھا جائے ؟ "

" دیکھیے، یہی تو وہ اندازِ فکر ہے جس کی ہم اصلاح کرنا چاھتے ہیں ۔ آپ لوگ سب بیمار ہیں ، ڈاکٹر ، بہت بیمار ۔ ہمیں ہزاروں سال سے پتا ہے کہ نوعِ انسانی بڑے امکانات کی حامل ہے ۔ ہمیں یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہو رہی ہے کہ آپ کا ارتقا مریضانہ رخ اختیار کر گیا ہے ۔ قطعی طور پر مریضانہ ۔"

" تمھارے آنے سے پہلے یہ مجھے بتا رہے تھے کہ یہ ہمارے علاج کی فکر میں ہیں " مرسی نے بتایا ۔

" ان سے کسی نے کہا ہے کہ علاج کرو " جوھانی سن بڑبڑایا ۔

ملاقاتی نے مسکرانے پر اکتفا کی ۔ " اس کام پر مجھے مدتوں پہلے مامور کیا گیا تھا لیکن اس طرح کی بیماریوں کا علاج ہمیشہ دشوار ہوتا ہے ۔ مثلاً اب اس ابلاغ کی مشکل ہی کو لے لیجیے۔"

" ہم ایک دوسرے سے بات کر تو رہے ہیں " جوھانی سن نے ہٹیلے انداز میں کہا ۔

" ہاں ، یوں کہہ لیجیے کہ ہم بات کر رہے ہیں ۔ میں آپ کے تصورات سے ، آپ کے ضابطۂ فکر سے کام لے رہا ہوں ۔ لیکن یہ بڑی حد تک ناکافی ہے ۔ میں آپ کو یہ بھی نہیں سمجھا سکتا کہ نوعِ انسانی کی بیماری کی اصل ماہیت کیا ہے ۔ آپ کے تصورات کی روشنی میں صرف اتنا کہنا ممکن ہے کہ یہ روح کی بیماری ہے ۔ یہ اس قسم کی معاشری تکلیف ہے جس کا علاج بڑا ٹیڑھا ہوتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ میں ایک عرصے براہِ راست علاج کرنے سے ہچکچاتا رہا ۔ اگر علاج میں کسی ذرا سی غلطی کی وجہ سے آپ لوگ اپنی غیر معمولی صلاحیت سے محروم ہو گئے تو بہت برا ہو گا ۔ ہزاروں سال سے میرا طریقِ کار یہی رہا ہے کہ ہر نسل سے چند ایسے افراد چن کر ، جو فطری طور پر اس بیماری کے اثر سے محفوظ ہوں ، ان کے ذریعے سے بالواسطہ شفا کی کوشش کرتا ہوں ، یعنی فلسفیوں ، اخلاق پرستوں ، سورماؤں اور سیاست دانوں کے ذریعے سے ، ان تمام لوگوں کے ذریعے سے جو عالمی اخوت کے علمبردار ہیں ، اور ان تمام لوگوں کے —"

" بہت خوب ۔ آپ ناکام رہے ۔ اب یہ قصہ چھوڑیے ۔ میں کچھ آپ لوگوں کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں ۔"

" ایسی کون سی بات ہو سکتی ہے جو آپ کی سمجھ میں

آ سکے ؟ "

" پہلی بات یہ کہ آپ آئے کہاں سے ہیں ؟ "

" اس کو سمجھنے کے لیے آپ کے پاس صحیح تصور ہی نہیں ۔ میں باڑے کا رہنے والا نہیں ۔"

" باڑا کون سا ؟ "

" میرا مطلب ہے میں کائنات کا رہنے والا نہیں ۔ میں کائنات کے باہر سے آیا ہوں ۔"

مرسی نے گفتگو میں دوبارہ حصہ لیتے ہوئے کہا : " جانی ، ان کی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئی ؟ فرض کرو تمہارا جزیرۂ نیوگنی سے گزر ہوتا ہے اور وہاں تم کسی طرح ٹیلی وژن کے ذریعے سے کچھ جنگلیوں سے بات کرتے ہو ۔ میرا مطلب ایسے جنگلیوں سے ہے جنھوں نے اپنے قبیلے کے سوا کسی انسان کو دیکھا ہو نہ سنا ہو ۔ کیا تم انھیں سمجھا سکو گے کہ ٹیلی وژن کیسے کام کرتا ہے اور تمہارے لیے یہ کیوں کر ممکن ہے کہ تم بیک وقت مختلف جگہوں پر مختلف لوگوں سے بات کر لیتے ہو ؟ کیا تم انھیں سمجھا سکو گے کہ پردے پر جو شکل نظر آتی ہے وہ تم نہیں ہو بلکہ وہ محض ایک واہمہ ہے جسے حسب منشا دکھایا اور مٹایا جا سکتا ہے ؟ اگر ان جنگلیوں کے نزدیک تمام کائنات ان کے جزیرے تک ہی محدود ہو تو تم انھیں یہ بھی نہ بتا سکو گے کہ آئے کہاں سے ہو ۔"

" اچھا ، تو ان صاحب کے نزدیک ہم جنگلی لوگ ہیں ۔ تم یہی کہنا چاہتی ہو نا ؟ " جوھانی سن نے بگڑ کر پوچھا ۔

ملاقاتی نے کہا : " آپ کی بیگم استعاروں میں گفتگو کر

رہی ہیں ۔ مجھے اپنی بات کرنے دیجیے ۔ میں آپ کے معاشرے کو اپنا علاج آپ کرنے کی اجازت اب نہیں دوں گا ۔ مرض بہت بڑھ چکا ہے ۔ مجھے نوعِ انسانی کی افتادِ طبع بدلنی پڑے گی ۔"

" کیسے ؟ "

" اس امر کی تشریح کے لیے بھی الفاظ یا تصورات موجود نہیں ۔ طبعی مادے پر ہمیں جو وسیع اختیار حاصل ہے وہ آپ ملاحظہ کر چکے ۔ تابکاری ختم کرنا ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا ۔ دنیا بھر میں تابکاری سے متعلق اشیا کو بدلنا اور کتابوں سے تابکاری کا ذکر غائب کرنا نسبتاً مشکل تھا ۔ انسانوں کے ذہن سے تابکاری کی یاد کو یکسر مٹا دینا اور بھی مشکل تھا اور اس کے لیے زیادہ وقت درکار تھا ۔ ٹھیک اس وقت یورینیم کا نشان دنیا سے مٹ چکا ہے ۔ کسی نے اس کا نام تک بھی نہیں سنا ۔"

" میں نے سنا ہے ۔ مرسی ، تم نے سنا ہے ؟ " جوھانی سن نے پوچھا ۔

" مجھے یورینیم یاد ہے " مرسی نے جواب دیا ۔

ملاقاتی نے کہا : " آپ دونوں کو ایک خاص وجہ سے جوں کا توں رہنے دیا گیا ہے ۔ آپ ہی کی طرح سو سے زیادہ مرد و زن اس وقت دنیا میں مختلف مقامات پر موجود ہیں ۔"

جوھانی سن نے پوچھا : " تابکاری ہمیشہ کے لیے ختم ؟ "

" پانچ سال کے لیے ۔ اسے وقفہ یا بے ہوشی کا عرصہ کہہ لیجیے تاکہ میں اس اثناء میں جوھری جنگ کا خطرہ مول لیے بغیر نوعِ انسانی کا آپریشن کر سکوں ۔ پانچ سال کے بعد تابکاری

بحال کر دی جائے گی - یورینیم اور تھوریم دوبارہ ملنے لگے گا - البتہ تابکاری کا علم بحال نہ کیا جائے گا - اسی وجہ سے پانچ سال کے بعد آپ لوگوں کی ضرورت پڑے گی - آپ سے از سرِ نو تابکاری کا علم عام کرنے کا کام لیا جائے گا -"

" بڑا ٹیڑھا کام ہمارے ذمے لگایا گیا ہے - پچاس سال کے تحقیق اور تجربے کے بعد تو ہم اس منزل تک پہنچے تھے - آپ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ وقت آنے پر سارا ضبط شدہ علم خود بخود یاد آ جائے - یہ بھی تو آپ کے لیے ممکن ہے ؟ "

"یہ بڑا سنگین آپریشن ہوگا - کم از کم دس سال میں جا کر پتا چلے گا کہ اس سے کسی قسم کی پیچیدگیاں تو نہیں پیدا ہوگئیں - اسی لیے ہم چاہتے ہیں کہ تابکاری کا علم رفتہ رفتہ حاصل ہو -"

" ہمیں کیسے پتا چلے گا کہ آپریشن ختم ہو گیا ؟ "

ملاقاتی مسکرایا : " آپ کو مطلع کر دیا جائے گا -"

" تو آپ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ تابکاری کی یاد ہمارے ذہنوں سے بھی مٹا دیں - اتنے عرصے یہ علم کانٹے کی طرح ہمارے ذہن میں چبھا رہے گا " جوهانی سن نے کچھ بے صبری سے کہا -

" مجھے افسوس ہے میں یہ نہیں کر سکتا - مجھے آپ کے ذہن بالکل اچھوتے درکار ہوں گے - اگر جراحی کا عمل کامیاب نہ ہؤا ، اگر بیماری دور نہ ہو سکی تو مجھے تھوڑے سے نارسل ، اچھوتے ذہنوں کی ضرورت پڑے گی تاکہ اس سیارے پر ایک نئی نسل پیدا کر کے اس پر کوئی نیا علاج آزمایا جا سکے - نوعِ انسانی کو ہمیں ہر قیمت پر محفوظ رکھنا ہے - یہ ہمارے لیے بہت کارآمد ہے - یہی وجہ ہے کہ میں اپنا نقطۂ نظر واضح کرنے

کے لیے آپ کو اتنا وقت دے رہا ہوں ۔ اگر نوعِ انسانی کو جوں کا توں رہنے دیا جاتا تو وہ پانچ سال کیا پانچ دن میں خود کو تباہ کر لیتی ۔"

اور مزید کچھ کہے بغیر وہ نظروں سے غائب ہو گیا ۔

* * *

مرسی نے کھانا تیار کیا اور میز پر چن دیا ۔ وہ دونوں اس طرح کھانا کھانے بیٹھے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو ، جیسے زندگی پرانی ڈگر پر چلی جا رہی ہو ۔

" کیا یہ سچ ہے ؟ کیا یہ حقیقت ہے ؟ " جوھانی سن بولا ۔

" میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ، اپنے کانوں سے سنا ہے " مرسی نے جواب دیا ۔

" میں نے اپنی سب کتابیں الٹ پلٹ کر دیکھ لی ہیں ۔ وہ سب بدل گئیں ہیں ۔ جب یہ ... یہ وقفہ تمام ہوگا تو ہم سب کو حافظے سے کام لینا پڑے گا ۔ ہمیں سارے آلات دوبارہ بنانے ہوں گے اور اپنی بات دوسروں کو ، جنھیں کچھ یاد نہ ہو گا ، سمجھانے میں بڑی دیر لگے گی ۔" پھر یکایک اسے غصہ آ گیا ۔ " اور اس کا فائدہ ؟ مجھے کوئی یہ بتائے ۔ آخر اس کی ضرورت کیا ہے ؟ "

مرسی نے دبے دبے لہجے میں کہنا شروع کیا : " ممکن ہے اس سے پہلے بھی وہ اہلِ دنیا سے گفت و شنید کرتا رہا ہو ۔ وہ ہزار ہا سال سے زندہ ہے ۔ تمہارا کیا خیال ہے یہ کہیں وہ تو نہیں جسے ہم —"

" خدا کہتے آئے ہیں ؟ " جوھانی سن نے اس کا جملہ مکمل کیا ۔ " تم یہی کہنا چاہتی تھیں ؟ مجھے کیا پتا ۔ مجھے بس اتنا

معلوم ہے کہ وہ جس مخلوق سے تعلق رکھتا ہے وہ ہم سے بے انتہا ترقی یافتہ ہے ، اور یہ شخص ہماری کسی بیماری کا علاج کر رہا ہے ۔"

" تو پھر میرے خیال میں وہ ایک طرح کا معالج ہے " مرسی نے کہا ۔

" معالج ہے ؟ تمام وقت وہ یہی کہتا رہا کہ ابلاغ بہت بڑا مسئلہ ہے ۔ یہ کس قماش کا معالج ہے جو اپنے مریض سے بات چیت ہی نہیں کر سکتا ؟ سلوتری ! وہ سلوتری ہے ! " جوھانی سن نے اپنے آگے سے رکابی ہٹا دی ۔

اس کی بیوی نے کہا : " کچھ ہی سہی ۔ اگر وہ جنگ کو—"

" جنگ کو ختم کرنے کی اسے ضرورت کیا ہے ؟ ہم اس کی نظر میں کیا ہیں ؟ جانور ہیں ۔ وہ ہمیں جانور گردانتا ہے ۔ اس کا اعتراف تو وہ تقریباً کر ہی چکا ۔ جب میں نے اس سے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو تو بولا کہ میں باڑے سے نہیں آیا ہوں ۔ سمجھیں ؟ وہ کائنات سے نہیں آیا تھا ۔ اپنا مفہوم واضح کرنے میں اسے جو دقت پیش آ رہی تھی اسی نے اس کا بھانڈا پھوڑ دیا ۔ ہماری کائنات کا جو تصور اس کے ذہن میں تھا وہی اس نے زبان سے ادا کیا ۔ اسے یہ خیال نہ رہا کہ کائنات کا ہمارا تصور کچھ اور ہے ۔ گویا کہ یہ کائنات ایک باڑا ہے ، دڑبا ہے ؛ اور ہم — ہم گھوڑے ہیں ، مرغیاں ہیں ، بھیڑیں ہیں ۔ اپنے آپ کو جو چاہے سمجھ لو ۔"

مرسی نے دھیمی آواز میں کہا : " خدا میرا چرواہا ہے ۔ مجھے کمی کس بات کی ۔"

" رہنے دو ، مرسی - وہ تو استعارہ ہے ، یہ حقیقت ہے - اگر وہ چرواہا ہے تو ہم ایسی بھیڑیں ہیں جو ایک غیر فطری خواہش کا شکار ہیں ، ایک غیر فطری صلاحیت کی مالک ہیں ، یعنی ایک دوسرے کی جان لینے کی خواہش اور صلاحیت - ہمیں روکنے کی ضرورت کیا ہے ؟ "

" اس نے کہا تھا ۔"

" مجھے پتا ہے اس نے کیا کہا تھا - اس نے کہا تھا کہ ہم عظیم صلاحیتوں کے مالک ہیں - ہم بہت کارآمد ہیں - ٹھیک ؟"

" ہاں ۔"

" لیکن بھیڑ کی صلاحیتیں اور افادیت چرواہے کے کس کام آتی ہیں ؟ بھیڑوں کو تو پتا ہونے سے رہا - وہ یہ سوچنے کی اہل ہی نہیں - اگر انہیں پتا چل جائے کہ ان کی اتنی ناز برداری کیوں کی جاتی ہے تو شاید وہ اپنے طور پر اپنی زندگیاں بسر کرنا پسند کریں - وہ بھیڑیوں سے یا آپس میں ایک دوسرے سے خود ہی بھگت لیں ۔"

مرسی بے بسی کے عالم میں اسے دیکھتی رہی -

جوہانی سن چیخا : " میں اپنے آپ سے اب یہی سوال کر رہا ہوں - ہم کس طرف جا رہے ہیں ؟ ہم کس طرف جا رہے ہیں ؟ کیا بھیڑوں کو اس کا پتا ہوتا ہے ؟ کیا ہمیں اس کا پتا ہے ؟ کیا ہمیں اس کا پتا چل سکتا ہے ؟ "

وہ کھانے پینے کی بجائے بیٹھے رکابیوں کو تکتے رہے -

باہر ٹریفک کا شور تھا اور بچے کھیل رہے تھے اور ایک دوسرے کو آواز دے رہے تھے - رات ہو چلی تھی اور رفتہ رفتہ اندھیرا چھا گیا -

طلسمی دوا

روبرٹ مور ولیمز

رات کے وقت دو آدمی ، ایک پرانے ماڈل کے ٹرک میں بیٹھ کر ، سینٹرول نامی شہر میں وارد ہوئے ۔ ایک خالی جگہ دیکھ کر انھوں نے خیمہ نصب کیا اور پھر صبر اور سکون سے بیٹھ کر انتظار کرنے لگے ۔

صبح سویرے ڈاکٹر ہارمن کو خبر ملی کہ اس کی مریضہ بڑھیا ویشم دم توڑ رہی ہے اور اسے جلد از جلد اس کے پاس پہنچ جانا چاہیے ۔ جب وہ کار میں بیٹھ کر شہر کی بڑی سڑک سے گزرا تو اس نے دیکھا کہ ایک خیمہ لگا ہوا ہے ۔ خیمے کے سامنے دو بورڈ لٹکے ہوئے تھے ۔ ایک بورڈ پر موٹے موٹے حرفوں میں لکھا تھا :

آج رات مفت تماشا

دوسرے بورڈ پر نسبتاً چھوٹے حروف میں تحریر تھا :

فادر مارک کی

طلسمی دوا آزمائیے

جملہ انسانی امراض کا علاج

پہلے پہل ڈاکٹر ہارمن نے ایک مبہم جھنجھلاہٹ محسوس

کی ۔ جس خالی جگہ پر خیمہ تانا گیا تھا وہ اس کے مطب کے بالکل سامنے تھی ۔ یہ بظاہر ناممکن تھا کہ اس کے مریضوں کی نظر سامنے کے خیمے پر نہ پڑے ۔ بتدریج اس کی جھنجھلاہٹ ایک خواہش میں تبدیل ہوگئی ۔ اس نے دل میں کہا : "کاش کہ یہ تماشا دکھانے والے عطائی اپنے دعووں کو سچا کر دکھایا کرتے تو یہ دنیا کتنی اچھی جگہ بن جاتی ۔"

ایسی دنیا کا خیال آتے ہی ، جس سے بیماری کا نام و نشان مٹ چکا ہو ، نوجوان ڈاکٹر کے اندر پُرحرارت تابانی پھیل گئی ۔ وہ اپنے ساتھی ڈاکٹروں میں زیادہ مقبول نہ تھا کیونکہ اس کا نقطۂ نظر اکثر ان کے اندازِ فکر سے مطابقت نہ رکھتا تھا ۔

اس کی زندگی کا واحد مقصد بیماروں کی مدد کرنا تھا ۔

ہارمن کو اس امر سے خاص غرض نہ تھی کہ مریض کو شفا کس طرح ملی ۔ انسانی جسم اتنا پیچیدہ اور انسانی مزاج اتنے مختلف ہوتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی حتمی بات کہنا کم علمی کی دلیل ہے ۔ جہاں دوا سے کام چل جاتا ، وہ دوا استعمال کرتا ۔ جہاں تسلی بخش الفاظ کار آمد ہو سکتے ، وہ ان سے کام لیتا ۔ اور اگر اسے کالے علم کا کچھ پتا ہوتا تو غالباً اسے بھی بروئے کار لانے سے نہ ہچکچاتا ۔

نتیجہ یہ کہ اس کے پاس ایسے مریض زیادہ آتے تھے جنھیں ہر طرف سے جواب مل چکا ہو ۔ مزمن بیماریوں کے شکار یا ایسے مراقی جو شہر کے سب سے بڑے ڈاکٹر ، لیبھم ، کی فیس ادا کرنے سے قاصر تھے ۔ یہی نہیں ، سارے شہر کے بچے اپنے پالتو جانور اس کے پاس لے کر آتے تھے ۔ اس نے کبھی انھیں مایوس نہیں

جانے دیا ۔ بچے اس سے محبت کرتے تھے۔ وہ بچوں سے محبت کرتا تھا ۔ مریضوں میں بھی وہ ہر دل عزیز تھا ۔ بوڑھی ویشم تک کو ، جس نے برسوں سے کسی ڈاکٹر کے حق میں کلمۂ خیر نہ کہا تھا ، یہ تسلیم تھا کہ ہارمن اتنا برا نہیں جتنے باقی ڈاکٹر تھے ۔

ان تمام خوبیوں کے باوجود ڈاکٹر ہارمن میں ایک بڑا عیب تھا جو اس کے ہم پیشہ حضرات کو بڑا کھلتا تھا ۔ وہ ان مریضوں کو اپنا بل بھیجنا بھول جاتا تھا جو اسے ادا کرنے کی وسعت نہ رکھتے تھے۔ دوسرے ڈاکٹر اس سلسلے میں اس پر نکتہ چینی کرنے سے باز نہ آتے ۔ ایک دن اس نے ڈاکٹر لیپھم سے کہا : " اگر وہ بل ادا نہیں کر سکتے تو بل بھیجنے سے فائدہ ؟ " ڈاکٹر لیپھم نے تیوری چڑھا کر کہا : " ان پر نالش ٹھوک دو ۔ جب مقدمہ چلے گا تو وہ بل کی رقم کہیں نہ کہیں سے پیدا کر لیں گے ۔"

* * *

ڈاکٹر ہارمن کو پتا تھا کہ وہ جس بڑھیا کو دیکھنے جا رہا ہے وہ ابھی مرنے والی نہیں ۔ اور جب وہ بوڑھی ویشم کے سرھانے پہنچا تو اس کا خیال درست نکلا ۔ اپنے چھوٹے سے گھر کے چھوٹے سے کمرے میں پڑی وہ تکلیف سے کراہ رہی تھی ۔ اس کا ادھیڑ عمر کا بیٹا پریشان صورت بنائے پاس کھڑا تھا ۔ ڈاکٹر ہارمن نے تکلیف دور کرنے کے لیے اسے ایک مسکن دوا پلائی ، اس کے پیٹ میں نکلے ہوئے سرطانی گومڑے کا معائنہ کیا ، ایک دو لطیفے سنائے اور کہا کہ پریشان ہونے کی ضرورت

نہیں ۔

جب وہ بڑھیا کے پاس سے ہٹا تو بڑھیا کی طبیعت بحال ہو چکی تھی ۔ لیکن ہارمن بہت افسردہ خاطر تھا ۔ اسے پتا تھا کہ اس کے سرطان کا آپریشن نہیں ہو سکتا اور وہ ایک دو ماہ کے اندر اندر مر جائے گی ۔

مطب پہنچ کر اس نے مریضوں کو دیکھنا شروع کیا ۔ سب سے دلچسپ مریض دو تھے ۔ ایک توجیسن کپر ، جسے شکایت تھی کہ اس کے معدے کا فعل درست نہیں ہے ۔ جیسن کپر خوب ہٹا کٹا لوفر تھا جس نے پتا نہیں کتنے برس سے نام کو بھی محنت کا کام نہیں کیا تھا ۔ جب ہارمن نے کہا کہ " میاں ، تم اب وہسکی پینی چھوڑ دو " تو جیسن ناراض ہو کر چلا گیا ۔ دوسرا مریض چھ برس کی ڈونا کاور کا پلا تھا جس کی دم کٹ گئی تھی ۔ ڈاکٹر ہارمن نے نہ صرف اس کی دم کی مرہم پٹی کی بلکہ ڈونا کاور کو ٹافی بھی کھلائی ۔

کام کے دوران کبھی کبھی وہ نظر اٹھا کر سامنے بھی دیکھ لیتا ۔ خیمہ خاصے لوگوں کی دلچسپی کا سبب بنا ہؤا تھا ۔ خود ڈاکٹر ہارمن کا ارادہ تھا کہ شام کے وقت ان دوا فروشوں سے ملاقات کی جائے ۔ اس کی ذاتی رائے تھی ، جس کا وہ کبھی بر سرِ عام اظہار نہ کرتا تھا ، کہ بعض عطائی دواؤں میں شفا بخشنے کا ایسا عنصر موجود ہوتا ہے جس پر جدید طب کو قاعدے سے تحقیق کرنی چاہیے تاکہ ان دواؤں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جا سکے ۔ خود اس کی دادی کو بعض ایسے چٹکلے معلوم تھے جو بہت مفید ثابت ہوتے تھے ۔

سہ پہر کو فون کی گھنٹی بجی ۔ ہارمن نے فون اٹھایا تو پتا چلا کہ ڈاکٹر لیپھم بات کرنا چاہتا ہے ۔ اب ہارمن فون لیے بیٹھا ہے اور لیپھم آ ہی نہیں چکتا ۔ چند منٹ بعد حضرت آئے اور چیخ کر بولے : " ہارمن ، یہ تمہارے دفتر کے سامنے کیا بیہودگی ہو رہی ہے ؟ "

" مجھے پتا نہیں ۔ میں نے ادھر جا کر دیکھا نہیں ابھی " ہارمن نے جواب دیا ۔

" اچھا ۔ چلو ، میں بتا دوں ۔ میں ابھی ابھی اُدھر سے گزرا تھا اور وہاں کچھ عطائی خیمہ لگا کر کوئی تماشا دکھانا چاہتے ہیں ۔ انھوں نے اشتہار بھی لگا رکھے ہیں ۔ میڈیکل سوسائٹی کے صدر کی حیثیت سے میں ہرگز یہ برداشت نہیں کروں گا کہ وہ میرے مریضوں میں اپنی زہریلی دواؤں کو فروغ دیں ۔"

" ابھی سے یہ فیصلہ کیسے کیا جا سکتا ہے کہ ان کی دوائیں زہریلی ہیں ؟ " ہارمن نے کہا ۔

" کیا کہا ؟ ارے زہریلی تو وہ یقیناً ہوں گی ۔ تم مجھ سے لکھوا لو ۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ان کے خیمے میں جا کر دیکھو کہ وہ کیا حرکت کر رہے ہیں اور پھر مجھے رپورٹ دو ۔ ان سے کہو کہ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر اس شہر سے دفع ہو جائیں ۔"

" آپ خود ہی ان کے خیمے کا معائنہ کیوں نہیں کر لیتے ؟ آپ صدر ہیں ۔"

" مجھے فرصت کہاں ہے بھئی ۔ ایک ایمرجینسی کیس آ رہا ہے ۔ بہت مصروف ہوں ۔ اس کے علاوہ میں مشہور ہوں ۔ فوراً

پہچانا جاؤں گا ۔ اس کے بعد معائنہ کرنا فضول ثابت ہو گا ۔ تمھیں کوئی نہیں جانتا ۔"

" اچھا ، جب فرصت ہو گی تو میں چلا جاؤں گا ۔" ہارمن نے بے دلی سے کہا ۔

" فرصت نکالو ، ہارمن ۔ میں تو ہمیشہ یہی کرتا ہوں ۔ ضرورت پڑنے پر فرصت نکالنا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے ۔ اچھا خدا حافظ ۔ تمھاری رپورٹ مل جائے تو میں پولیس کو اطلاع دوں ۔"

شام کو جب ڈاکٹر ہارمن اپنے مطب سے نکلا تو خیمے کے آگے بڑا مجمع تھا اور ایک آدمی کرسی پر کھڑا ہؤا بڑی روانی سے تقریر کر رہا تھا ۔ وہ آدمی دراز قد اور دبلا پتلا تھا اور اس کی طوطے کی چونچ جیسی ناک تھی ۔ وہ کہہ رہا تھا :

" خواتین و حضرات ، میں آج رات آپ کو فادر مارک کی طلسمی دوا کے بارے میں کچھ بتانا چاہتا ہوں ۔ یہ کہنا غالباً غیر ضروری ہے کہ اس مجمعے میں بہت سے لوگ میری باتوں پر شک کریں گے یا دل ہی دل میں ہنسیں گے ۔ میں یہ بتا دوں کہ ایسے لوگ حق بجانب ہوں گے ۔ بدقسمتی سے مجھے اس بات کا خود بھی تجربہ ہے کہ آج کل پُر فریب عطائیوں اور مکار دوا فروشوں کا بہت زور ہو گیا ہے اور انھوں نے عام لوگوں کو اس قدر دھوکے دیے ہیں کہ اچھے برے میں تمیز مشکل ہو چلی ہے ۔ ان جھوٹے عطائیوں کا مقصد صرف اپنی جیب گرم کرنا ہوتا ہے ۔ خواتین و حضرات ، ایک بات میں آپ پر ابھی سے واضح کر دوں ۔ ہمیں اور کسی چیز کی ضرورت ہو نہ

ہو ، ایک چیز کی بالکل ضرورت نہیں — اور وہ ہے آپ کا روپیہ ۔"

ان الفاظ سے مجمع بہت متاثر ہؤا اور ڈاکٹر ہارمن نے سوچا کہ اگر یہ بات ڈاکٹر لیپھم تک پہنچا دی جائے تو وہ کیا جواب دے گا ۔

وہ ذرا آگے بڑھا ہی تھا کہ مقرر نے مسکرا کر کہا :
" ہیلو ، ڈاکٹر ۔"

" تم نے مجھے کیسے پہچانا ؟ " ہارمن نے پوچھا ۔

" میں نے آپ کو مطب میں بیٹھے دیکھا تھا اور مجھے مطب کے بورڈ سے آپ کا نام بھی معلوم ہو گیا ہے ، ڈاکٹر ہارمن ۔ آپ براہِ کرم اندر خیمے میں تشریف لے جائیے ۔ وہاں میرا ساتھی آپ کے سوالات کا جواب دے کر تجسس رفع کرنے میں ہاتھ بٹائے گا ۔ تکلف برطرف ۔ اندر چلے جائیے ۔"

ہارمن خیمے کا پردہ اٹھا کر اندر داخل ہؤا ۔ سامنے میز پر ایک بڑی سی چوکور مشین رکھی تھی جس میں بہت سے ڈائل ، سوئچ ، میٹر اور بلب تھے ۔ مشین کے سامنے ایک کرسی تھی ۔ ذرا پرے ایک اور کرسی پر ایک لمبا آدمی بیٹھا تھا ۔ اس نے موٹے موٹے رنگین شیشوں کی عینک لگا رکھی تھی ۔ اس کی رنگت زرد اور سر گنجا تھا ۔ ہارمن کو آتا دیکھ کر وہ کھڑا ہوگیا : " اوہ ، آپ سامنے والے ڈاکٹر ہیں ۔ آئیے ۔ تشریف رکھیے ۔"

کرسی پر بیٹھتے ہی ہارمن کو چھینک آئی ۔ ہارمن کو اکثر زکام کی شکایت رہتی تھی اور اب تو اس نے تنگ آ کر علاج ہی چھوڑ دیا تھا ۔ لمبے آدمی نے ہاتھ بڑھا کر چند سوئچ دبائے ، دو

تین میٹر پڑھے اور مسکرایا ۔

" میرا نام یانفرو ھے " اس نے کہا ۔ " میرے پاس ڈاکٹری کی ڈگری ھے ۔ چونکہ بدقسمتی سے مجھے آپ کے ملک کے طبی اداروں سے فیضیاب ھونے کا موقع نہیں ملا اس لیے شاید میری ڈگری آپ کے نزدیک کوئی معنی نہ رکھے۔ بہرحال ، مجھے اپنے جیسا ڈاکٹر ھی سمجھیے ۔"

" بڑی مسرت ھوئی آپ سے مل کر " ھارمن نے کہا اور اپنا نام بتا کر یانفرو سے ھاتھ ملایا ۔ " کیا میں پوچھ سکتا ھوں کہ آپ کو کس یونیورسٹی سے ڈگری ملی ھے ؟ "

لیکن ھارمن کو اپنے سوال کا جواب نہ ملا کیونکہ مشین سوں سوں کرنے لگی تھی اور اس میں ایک باب جل اٹھا تھا ۔ یانفرو کی تمام توجہ مشین پر مبذول ھوگئی تھی ۔ اس نے مشین کے ایک خانے میں سے دھات کے دو چھوٹے چھوٹے ٹکڑے نکالے اور ھارمن سے کہنے لگا : " آپ کو زکام کی شکایت ھے ؟ "

ھارمن نے کہا : " جی ھاں ، مجھے زکام اکثر رھتا ھے ۔ اسی لیے میں نے اس پر توجہ دینی چھوڑ دی ھے ۔ لیکن ـــ"

یانفرو نے اس کی بات کاٹ کر کہا : " یہ دھات کے ٹکڑے آپ کے بہت کام آئیں گے ۔ ان کو الگ الگ جیبوں میں ڈال لیجیے ، ایک دائیں جیب میں ، اور ایک بائیں میں ، اور پھر دیکھیے کہ آپ کے زکام پر کیا بیتتی ھے ۔"

ھارمن نے دھات کے وہ ٹکڑے یانفرو سے لے لیے مگر اسے ان میں کوئی خاص بات نظر نہ آئی ۔ یانفرو بولتا رھا :

" میں دھات کے ان ٹکڑوں پر کافی روشنی ڈال سکتا ھوں ۔

انھیں خاص طور پر مقناطیسا گیا ھے ۔ یہ کرسی جس پر آپ بیٹھے ھیں دراصل مشین کا ایک حصہ ھے ۔ آپ کے کرسی پر بیٹھتے ھی مشین نے مرض کی تشخیص شروع کر دی ۔ تشخیص کے جو معنی آپ سمجھتے ھیں ان سے اس مشین کا کوئی سروکار نہیں ۔ اس کا طریق کار بالکل جدا ھے ۔ درحقیقت ، گستاخی معاف ، آپ کا علم طب بہت دقیانوسی ھے ۔ آپ کو پتا ھونا چاھیے کہ انسان کے جسم میں ھر وقت بہت پیچیدہ برقی روئیں دوڑتی رھتی ھیں اور ان روؤں سے برقی مقناطیسی علاقے پیدا ھوتے ھیں ۔ یہ مشین جسم کی برقی روؤں کا تجزیہ کرتی ھے ۔ پھر پیمائش اور تجزیے کی روشنی میں دھات کے ان ٹکڑوں کو اس طرح مقناطیستی ھے کہ تمام سرکش اور اپنی جگہ سے ھٹی ھوئی روئیں راہ راست پر آ جاتی ھیں ۔ ان کے ٹھیک ھوتے ھی آپ کی طبیعت بھی بحال ھو جاتی ھے ۔"

لیکن ــ"

" ڈاکٹر ھارسن ، آپ پہلے ان دھات کے ٹکڑوں کو آزما کر تو دیکھیے ۔ اوہ ، معاف کیجیے ۔ تشریف لائیے ، محترمہ ۔ ڈاکٹر ھارسن ، میں ذرا معافی چاھتا ھوں ۔"

" ضرور ، ضرور " ھارسن نے کہا اور خیمے کے بغلی دروازے سے باھر چلا گیا ۔ جو عورت خیمے میں داخل ھوئی تھی وہ بوڑھی ویشم تھی ۔

دفتر پہنچتے ھی ھارسن نے بے خیالی کے عالم میں دھات کے دونوں ٹکڑے ایک ھی جیب میں ڈال لیے اور یانفرو کے نظریے

پر غور کر ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی ۔ پتا چلا کہ ننھی ڈونا کلور سائیکل پر سے گر کر زخمی ہو گئی ہے ۔

" ڈاکٹر صاحب ، اس کا بازو ٹوٹ گیا ہے ۔ آپ فوراً آئیے۔ اس کا تکلیف کے مارے برا حال ہے ۔" ایسا لگتا تھا کہ ماں کو ہسٹیریا کا دورہ پڑنے والا ہے ۔

ہارمن نے فوراً ڈونا کے گھر کا رستہ لیا ۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہؤا کہ بازو کی ہڈی بہت بری طرح سے اور جگہ جگہ سے ٹوٹ گئی تھی ۔ بچی درد کے مارے چیخیں مار رہی تھی اور کسی کو ہاتھ نہ لگانے دیتی تھی ۔ اسے دیکھ کر ہارمن نے سوچا کہ کاش اس شہر میں کوئی بڑا ہسپتال ہوتا ۔ لیکن یہ کام کرنے کا موقع تھا اور اس طرح کی خیالی باتیں فضول تھیں ۔ ہارمن نے اپنا کوٹ اتار پھینکا اور آستینیں چڑھا لیں ۔

ٹوٹی ہوئی ہڈی کو اپنی جگہ پر بٹھاتے بٹھاتے ہارمن کو یوں محسوس ہؤا کہ صدیاں گزر گئی ہیں ۔ بالآخر کام خوش اسلوبی سے انجام پا ہی گیا اور پنسلین کا ٹیکا لگا کر اطمینان کی سانس لیتے ہوئے ہارمن نے کہا : " اگر کوئی ایسی ویسی بات نہ ہوئی تو بچی دو تین ہفتے میں ٹھیک ہو جائے گی ۔ میں کل سہ پہر پھر دیکھنے آؤں گا ۔ اس کا ٹمپریچر لیتے رہیے اور کوئی غیر معمولی بات ہو تو مجھے بلا بھیجیے ۔"

ڈاکٹر ہارمن کو آدھی رات تک فرصت نہ ملی اور جب وہ سونے کے لیے لیٹا تو اسے متواتر چھینکیں آ رہی تھیں ۔ اسے شدت کا زکام ہو گیا تھا ۔

صبح صبح ایک عجیب واقعہ پیش آیا ۔ ہارمن چھینکتا ہؤا

مطب میں آ کر بیٹھا ہی تھا کہ بوڑھی ویشم کے بیٹے نے گھبرائی ہوئی آواز میں فون کیا : " ڈاکٹر صاحب فوراً آئیے۔ کل تو میری ماں کی صرف طبیعت خراب تھی ، آج دماغ بھی خراب ہوگیا ۔"

ہارمن کا دل چاہا کہ اسے ڈانٹے اور کہے کہ یہ تشخیص کا معاملہ تمہارے بس کا روگ نہیں ۔ تم اپنی ماں کو بیٹھے بٹھائے پاگل نہ قرار دو مگر آخر میں اس نے صرف اتنا پوچھا : " کیا ہو گیا ہے اسے ؟ "

" وہ یہ کہہ رہی ہے جی کہ میری طبیعت بالکل ٹھیک ہے اور میں کپڑے دھوؤں گی ۔ میری وہ کچھ سنتی ہی نہیں ۔ اور وہ کہتی ہے کہ ۔"

" اچھا ، میں آ رہا ہوں " ہارمن نے بات کاٹ کر کہا ۔

جب ہارمن وہاں پہنچا تو اس نے ویشم کے بیٹے کو سڑک پر کھڑے پایا ۔ وہ اسے دیکھتے ہی بولا : " اجی ڈاکٹر صاحب ، اب تو وہ کہہ رہی ہے کہ کپڑے دھو کر لکڑی بھی چیروں گی ۔"

بوڑھی ویشم اسے باورچی خانے میں بیٹھی ملی ۔ ناشتے کے باقیات سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ خوب ڈٹ کر کیک ، گوشت اور انڈے کھا چکی تھی اور کافی کی تو پتا نہیں کتنی پیالیاں پی گئی تھی ۔ اس نے ڈاکٹر کو دیکھ کر ڈکار لی اور کہا : " اچھا تو تم آ گئے ، میاں ڈاکٹر ۔ دیکھو ، یہ میرے باؤلے بیٹے کو سمجھاؤ ۔ کم بخت مجھے کپڑے نہیں دھونے دیتا ۔ میری تو پرانی عادت ہے کہ گھر میں ٹھالی نہیں بیٹھتی ۔"

" لیکن تم کپڑے دھوؤ گی کیسے، بڑی بی ۔ کل تو تمہاری

طبیعت اتنی خراب تھی ۔"

" کل کی بات کل کے ساتھ گئی ۔ کل بیمار تھی ، آج اچھی ہو گئی ۔ دن دن کی بات ہے ۔" وہ جس اعتماد سے باتیں کر رہی تھی وہ حیرت انگیز تھا ۔ ڈاکٹر ہارمن بہت چکرایا اور کہنے لگا :

" اچھا ، میں تمہیں دیکھ بھال لوں ۔ پھر کسی فیصلے پر پہنچ سکوں گا ۔"

" ضرور دیکھو ۔ اس طرح تمہیں اور اس باؤلے کو چین تو پڑ جائے گی ۔"

ہارمن نے اپنا سٹیتھسکوپ نکالا اور معائنہ شروع کیا ۔ چند منٹ بعد اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں ۔ بڑھیا کے دل کی حرکت درست ہو چلی تھی ، پھیپھڑوں سے خڑ خڑ کی آواز آنی بند ہو گئی تھی اور سرطان کا گومڑا جو کل اتنا نمایاں تھا آج بہت چھوٹا اور نرم ہو گیا تھا جیسے بتدریج گھلتا جا رہا ہو ۔ ہارمن کی فہم چکرا گئی ۔ اس نے ہکلاتے ہوئے پوچھا :

" یہ ... کیا ہوا .... یہ ؟ "

" کل رات میں تمہارے دفتر کے سامنے لگے ہوئے خیمے تک گئی تھی ۔ مجھے یقین تھا کہ تم اور تمہارے جیسے دوسرے ڈاکٹر میرا علاج نہیں کر سکتے ۔ مجھے نئے ڈاکٹر کی تلاش تھی ۔ وہ ڈاکٹر مجھے رات خیمے میں مل گیا اور اس نے ایک چیز ایسی میرے حوالے کی کہ ..."

" کوئی مضائقہ نہ ہو تو مجھے بھی بتاؤ کہ وہ کیا چیز تھی ۔"

" لو خود ہی دیکھ لو " یہ کہہ کر بڑھیا نے اپنی جیبوں میں سے دھات کے دو ٹکڑے نکالے ۔ یہ ٹکڑے شکل میں ان

ٹکڑوں سے مشابہ تو نہ تھے جو یانفرو نے ہارسن کو دیے تھے تاہم اس میں کوئی شبہ نہ تھا کہ وہ ایک ہی مشین کے ساختہ تھے ۔

" خیمے والے ڈاکٹر نے مجھ سے کہا تھا کہ انہیں ہمیشہ اپنی جیبوں میں رکھنا یا زیر جامے میں سی لینا ۔ اور تم دیکھ لینا میں یہی کروں گی ۔ بیماری کا یہ علاج سب سے آسان ہے ۔"

ڈاکٹر ہارسن سر جھکائے ، چپ چاپ ، بہت سٹپٹایا ہوا ، گھر سے نکلا ۔ وہاں بڑھیا کا بیٹا پریشان صورت بنائے اس کے رستے میں کھڑا تھا ۔

" اسے کپڑے دھونے دو " ہارسن نے کہا ۔

" لیکن ، ڈاکٹر صاحب ..."

" اور تم اس کا ہاتھ بٹاؤ ۔"

" مگر وہ تو ..."

" اور کپڑے دھونے کے بعد اگر وہ چاہے تو اسے لکڑی بھی چیرنے دینا " یہ کہہ کر ہارسن وہاں سے چل دیا ۔

خیمے کے باہر لوگ قطار باندھے کھڑے تھے ۔ ہر ایک کے ہاتھ میں کسی نہ کسی طرح کا گتے یا ٹین کا ڈبا تھا ۔ ایک آدمی بیساکھیوں کے سہارے چل کر وہاں آیا تھا ، ایک اور آدمی لنگڑا رہا تھا ۔ ایک پہیوں والی گاڑی میں بیٹھا تھا ۔ ان میں سے کئی ہارسن کے سابق مریض تھے ۔ ہارسن ان کا علاج کرنے میں ناکام رہا تھا اور اب وہ اس امید پر یہاں جمع ہوئے تھے کہ شاید کوئی معجزہ ظہور میں آئے اور وہ بھلے چنگے ہو جائیں ۔

جب ہارمن خیمے کی طرف جا رہا تھا تو سڑک کے دوسری طرف ایک کار آ کر رکی اور اس میں سے ڈاکٹر لیپھم ، چہرے کو مصنوعی طور پر رعب دار اور کرخت بنائے ہوئے ، اور ایک پولیس افسر اترا ۔ افسر کی پیٹی سے پستول لٹک رہا تھا اور قمیض پر دائیں جیب کے پاس سلا ہوا ستارہ چمک رہا تھا ۔

انھیں دیکھ کر ہارمن کے قدم تیز ہوگئے۔ خیمے میں داخل ہونے سے پہلے اس نے قطار میں کھڑے لوگوں پر نظر ڈالی اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ انھوں نے ڈبوں میں طرح طرح کے بیج بھر رکھے تھے ۔ کسی کے پاس ناشپاتی کے بیج تھے تو کسی کے ڈبے میں سیب کے ۔ کوئی شخص مٹر اور گاجر کے بیج لے کر آیا تھا اور کوئی کدو اور مولی کے ۔ بعض تو پھولوں کے بیج ہی لے آئے تھے ۔

ہارمن جانبی دروازے سے خیمے میں داخل ہوا ۔ یانفرو کرسی پر بیٹھا مزے سے سگار پی رہا تھا ۔ خیمے کا کچھ حصہ بیجوں کے ڈبوں سے اٹ چکا تھا ۔

" اس طرح آ ٹپکنے کے لیے معافی چاہتا ہوں " ہارمن نے کہا ۔ " لیکن میں ایک مسئلے پر آپ سے — آچھوں ں ۔" اسے بڑے زور کی چھینک آئی ۔

" بڑا افسوس ہے ، ڈاکٹر ہارمن " یانفرو نے کہا ۔" کہ آپ کا زکام ٹھیک نہیں ہوا ۔ شاید آپ نے — "

ہارمن نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا : " زکام گیا جہنم میں ۔ مجھے اس کی پروا نہیں ۔ بات یہ ہے کہ میری ایک مریضہ کل رات آپ لوگوں کے پاس آئی تھی ۔ اس سے پہلے میں اس کا

معائنہ کر چکا تھا ۔ مریضہ کا سرطان ایسی صورت اختیار کر چکا تھا کہ کوئی امید باقی نہ رہی تھی اور ۔"

باہر سے ڈاکٹر لیپھم کی غصیلی آواز آئی : " افسر صاحب ، آپ بے دھڑک اندر چلے جائیے ۔ اندر جائیے اور اپنا فرض انجام دیجیے ۔"

پولیس افسر اندر داخل ہؤا اور اس کے پیچھے پیچھے لیپھم کی صورت نظر آئی ۔ غصے کے مارے لیپھم کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا ۔ ہارمن کو دیکھتے ہی وہ منہ پھاڑ کر دھاڑا : " ہارمن ، میں نے تم سے کہا تھا کہ مجھے رپورٹ دو ۔ تم نے کچھ نہیں کیا ۔ عذر تراشنے کی تکلیف بھی گوارا نہیں کی ۔ خیر ، اس شہر میں ابھی ایک ڈاکٹر ایسا موجود ہے جو عقل سے کام لینا جانتا ہے ۔ یہ کیا گڑ بڑ جھالا ہے بھئی ؟ " اس نے مشین کی طرف ہاتھ ہلا کر پوچھا ۔

" یہ ہماری تشخیص اور علاج کرنے کی مشین ہے " یانفرو نے پُر سکون لہجے میں جواب دیا ۔

" تشخیص اور علاج کرنے کی مشین ، کیا کہنے ! لوگوں کو شعبدہ بازی کے ذریعے اُلو بناتے ہو ۔ اور یہ بیج کس لیے ہیں ؟ " لیپھم نے ایک ڈبے کو ٹھوکر مار کر پوچھا ۔

" جناب ہم لوگوں سے فیس نہیں لیتے " یانفرو نے بتایا ۔ " البتہ اگر کوئی آدمی اپنی خوشی سے ہمیں بیج پیش کرے تو ہم لے لیتے ہیں ۔"

" بیج ؟ " لیپھم نے چیخ ماری ۔ " کیا تم لوگوں سے فیس کی جگہ ناشپاتی اور سیب کے بیج لیتے ہو ؟ " اس کے لہجے سے

ہارمن نے یہ محسوس کیا کہ اگر یانفرو ہر آدمی سے بیس ڈالر فیس کے لیتا تو لیپھم کے دل میں فوراً اس کی قدر و منزلت پیدا ہو جاتی اور وہ اسے اپنی ٹکر کا ڈاکٹر سمجھنے لگتا ۔

" جی ہاں " یانفرو نے جواب دیا ۔ " ہم کسی شخص کو مجبور نہیں کرتے کہ وہ ہمیں بیج لا کر دے ۔ جس کا دل چاہے وہ رضاکارانہ یہ بیج ہمیں ۔"

" رضاکارانہ ! " لیپھم کے لہجے سے مترشح تھا کہ اس سے زیادہ دل ہلا دینے والی بات اس نے کبھی نہیں سنی ۔

" یہ تو بڑی شرم ناک بات ہے ، ڈاکٹر صاحب " ہارمن نے کہا ۔ " اس سے تو کہیں زیادہ بہتر ہے کہ نالش ٹھونک کر پیسے دھروا لیے جائیں ۔"

ہارمن کا چبھتا ہؤا جملہ سن کر لیپھم چونکا : " اور تم یہاں کیا لینے آئے ہو ، ہارمن ؟ "

ہارمن نے جواب دیا : " میں یہاں اپنے علم میں اضافہ کرنے آیا ہوں ۔"

" او ہو ، مجمع گیروں کے خیمے میں علم کی تلاش ہے ! خیر ، ان سے باقی معلومات حاصل کرنے کے لیے تمہیں جیل جانا پڑے گا ۔ افسر صاحب ، ان دونوں عطائیوں کو بغیر لائسنس علاج کرنے کے جرم میں گرفتار کر لیجیے ۔"

ہارمن نے فوراً پولیس افسر سے دریافت کیا : " آپ کے پاس وارنٹ ہے ؟ "

" وارنٹ تو ۔ نہیں ہے " پولیس افسر نے ہچکچاتے ہوئے کہا ۔

لیپھم چلایا : " ان نوسر بازوں کو گرفتار کرنے کے لیے کسی وارنٹ کی ضرورت نہیں - یہ جرم کرتے ہوئے پائے گئے ہیں - ہارمن ، تم ہمارے معاملے میں دخل مت دو ، سمجھے -"

" افسوس کی بات یہ ہے کہ تم کبھی گرفتار نہ ہوئے " ہارمن نے کہا - " ورنہ ڈاکٹری کے پیشے کی آڑ لے کر تم نے جتنے جرم کیے ہیں ان کو مدِ نظر رکھا جائے تو تمھیں کبھی کا جیل میں ہونا چاہیے تھا - افسر ، آپ کے پاس وارنٹ ہے ؟"

افسر نے سر ہلاتے ہوئے کہا : " نہیں -"

ہارمن نے نرمی سے کہا : " تو بہتر یہی ہو گا کہ وارنٹ فراہم کر لیا جائے - آپ کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے کہ ان دو حضرات نے کوئی جرم یا قانون کی خلاف ورزی کی ہے - میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا ؟ "

" آپ ٹھیک ہی کہتے ہیں ، ڈاکٹر صاحب - مجھے تو لیپھم صاحب گھسیٹ لائے " پولیس افسر نے ندامت کا اظہار کیا -

" تو ہم وارنٹ بھی لے آتے ہیں " لیپھم نے اکڑ کر کہا - " کون سی بڑی بات ہے - مجسٹریٹ سے میں ذاتی طور پر واقف ہوں -"

" ضرور لے آئیے - اور جب انھیں گرفتار کر لیا جائے گا تو میں اس بات کو باعثِ فخر سمجھوں گا کہ ضمانت دے کر ان کو چھڑا لوں " ہارمن کی آواز میں غصہ تھا -

" کیا کہا ؟ " لیپھم کو اپنے کانوں پر یقین نہ رہا - " تم ان عیاروں کو ضمانت دے کر چھڑا لو گے ؟ "

" ہاں ، تم نے ٹھیک ہی سنا ہے - اب یہاں سے چلتے بنو -

مجھے ڈاکٹر یانفرو سے کچھ باتیں کرنی ہیں ۔"

" لیکن ۔"

" دفع ہو جاؤ یہاں سے " ہارمن نے گرج کر کہا ۔ ڈاکٹر لیپھم غصے سے کانپتا ہؤا پولیس افسر کو لے کر وہاں سے چلا گیا ۔

یانفرو نے تحسین آمیز نظروں سے ہارمن کو دیکھتے ہوئے کہا : " کیا کہنا ، ڈاکٹر ہارمن ! "

" شکریہ ۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ۔ آچھیں..."

" آپ کا زکام ، محترم ! "

" میرے زکام کو آپ بھول جائیے ۔"

" بس ایک منٹ ، جناب ، بس ایک سوال ۔"

" اچھا ، جلدی سے پوچھ لو ۔ مجھے جو باتیں کرنی ہیں وہ میرے زکام سے کہیں زیادہ ضروری ہیں ۔"

یانفرو مسکرایا : " ڈاکٹر ہارمن ، آپ کو صرف اپنے مریضوں کا خیال رہتا ہے ۔ یہ بہت بڑی خوبی ہے ۔ تاہم ، آپ کو اپنی ذات سے بالکل بے اعتنائی نہ برتنی چاہیے ۔ وہ دھات کے ٹکڑے کہاں گئے جو کل رات میں نے آپ کو دیے تھے ؟ "

ہارمن نے انھیں جیب سے نکالتے ہوئے کہا : " وہ میری جیب میں ہیں ۔ ان کا مجھ پہ کوئی اثر نہیں ہؤا ۔"

" کیا آپ نے دونوں ٹکڑے ایک ہی جیب میں ڈال لیے تھے ؟ " یانفرو نے پوچھا ۔

" ارے اس سے کیا فرق پڑتا ہے ۔ ویسے حقیقت یہ ہے کہ مجھے ان کا خیال تک نہ رہا تھا ۔"

" اس سے بہت بڑا فرق پڑ جاتا ہے " یانفرو نے کہا ۔ " اگر یہ دونوں ٹکڑے ایک ہی جیب میں یعنی جسم کے ایک ہی طرف رہیں تو یہ بیماری کی روؤں کو مایا میٹ کرنے کی بجائے الٹی انہیں تقویت پہنچاتے ہیں ۔ اس طرح بیماری بڑھتی ہے ۔ آپ انہیں الگ الگ جیبوں میں ڈال لیجیے اور پھر دیکھیے کہ آپ کا زکام جاتا ہے کہ نہیں ۔"

یانفرو کو اطمینان دلانے کی خاطر ہارسن نے ٹکڑوں کو الگ الگ جیبوں میں ڈال لیا اور کہنے لگا : " میں اپنی مریضہ کی بات کر رہا تھا ۔ میں یہ طے کرنے سے قاصر ہوں کہ آیا میری تشخیص سرے سے غلط تھی یا اس کی تحت یابی کسی قسم کا عضویاتی معجزہ ہے ۔"

" کیا آپ کی مریضہ کو اب افاقہ ہے ؟ " یانفرو نے پوچھا ۔

" افاقہ ؟ وہ تو روبصحت ہے " ہارسن نے جواب دیا ۔

" تو پھر آپ کو کیا شکایت ہے ، صاحب ؟ " یانفرو نے سوال کیا ۔

" شکایت یہ ہے کہ مجھے یقین نہیں کہ اس کی صحت یابی کا راز آپ کے دیے ہوئے مقناطیسی ٹکڑوں میں پنہاں ہے ۔ اگر یہ راز انھی ٹکڑوں میں پنہاں ہے تو مجھے یہ شکایت ہے کہ میں علاج کے اس نئے طریقے سے نا آشنا ہوں ۔ ارے بھائی ، آپ کا طریقۂ علاج تو علمِ طب کی تاریخ میں عظیم ترین انقلاب سے کم نہیں ۔ میں بھی اس طریقے — کیوں ، کیا ہؤا ؟ "

یہ الفاظ ہارسن نے اپنی ملازم نرس سے کہے تھے جو اسی وقت خیمے میں دوڑتی ہوئی داخل ہوئی تھی ۔ اس کے چہرے

پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور سانس پھولی ہوئی تھی ۔

" ڈاکٹر صاحب ، ابھی مسز کلور کا فون آیا تھا ۔ ڈونا کو ایک سو پانچ بخار ہے ۔"

یہ بات ڈاکٹر ہارمن کی افتادِ طبع کا حصہ بن چکی تھی کہ دنیا کی کوئی چیز مریض سے زیادہ اہم نہیں ۔ وہ بغیر پس و پیش کے اٹھ کھڑا ہوا اور جاتے جاتے یانفرو سے کہہ گیا کہ " میں پھر آؤں گا ۔"

بچی کی حالت ہذیانی تھی ۔ اس کے ماں باپ اس کے سرہانے چپ چاپ کھڑے تھے ۔ ایک کونے میں بچی کا پالتو پلا بیٹھا بسور رہا تھا ۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس کمرے میں کوئی ایسی چیز موجود تھی جس کے ہول سے اس ننھے سے پلے کی جان نکلی جا رہی تھی ۔ ڈاکٹر ہارمن بہت دیر تک بچی کو دیکھتا بھالتا رہا ۔ آدھا گھنٹا گزر گیا ۔ ماں باپ پر گھبراہٹ طاری ہو گئی ۔ " کیا ہوا ہے ، ڈاکٹر صاحب ؟ کیا بیماری ہے ؟ "

" کسی قسم کا زہر پیدا ہو گیا ہے جو میری سمجھ میں نہیں آتا ۔"

" اب ہمیں کیا کرنا چاہیے ؟ "

" میں نے پنسلین کا ٹیکہ لگایا تھا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس زہر پر پنسلین کا اثر نہیں ۔ میں کسی اور اینٹی بایوٹیک کا ٹیکا لگا سکتا ہوں لیکن اس سے کوئی فائدہ نہ ہو گا ۔ جہاں پنسلین ناکام ہو جائے وہاں کوئی اینٹی بایوٹیک دوا مؤثر ثابت

نہیں ہو سکتی ۔"

" ڈاکٹر صاحب ۔"

" اگر تمہارا دعاؤں پر ایمان ہے تو اب دعا مانگنے کا وقت آ گیا ہے ۔"

ماں چپ چاپ کمرے سے نکل گئی ۔

کونے میں ننھا منا پلا رو رہا تھا ۔ بستر پر چھوٹی بچی تڑپ اور کراہ رہی تھی ۔ اس دنیا سے اس کا تعلق ٹوٹ چکا تھا ۔ وہ کسی اور دنیا میں تھی جہاں بنجر زمینوں پر عجیب و غریب شکلیں آسیبوں کی طرح منڈلا رہی تھیں ۔ اس دوسری دنیا کے نظارے بچی کو ڈرا رہے تھے ۔ ہارمن نے اپنا سر جھٹکا ۔

اچانک اسے خیال آیا کہ خیمے سے نکلنے کے بعد اسے ایک دفعہ بھی چھینک نہیں آئی ۔

یہ خیال آتے ہی اس کے اندر کوئی چیز اپنی جگہ سے اکھڑ گئی ۔ ایک لمحے کے لیے — اور وہ نری دیوانگی کا لمحہ تھا — گھبراہٹ نے ، ایسی گھبراہٹ نے جس سے اس کا کبھی سابقہ نہ پڑا تھا ، کسی قیامت خیز آندھی کی طرح اسے ہلا ڈالا ۔ اس نے گھبراہٹ پر قابو پایا ، خود کو سنبھالا اور سمجھ لیا کہ وہ کیا چاہتا تھا ۔ اور جب وہ اس بارے میں غور کر رہا تھا کہ اگر اس نے اپنی من مانی کی تو کیا ممکن نتائج برآمد ہوں گے تو گھبراہٹ نے پھر طوفان کی طرح سر اٹھایا ۔

" مجھے پروا نہیں کہ مجھ پر کیا بیتے گی " اس نے کہا ۔

گھبراہٹ وقتی طور پر غائب ہو گئی ۔ اس نے بچی کو گود میں اٹھا لیا ۔

* * *

ڈونا کے والدین اس کے ہمراہ تھے ۔ اپنے مطب کے سامنے کار روک کر ہارمن بچی کو گود میں لے کر اترا اور خیمے کی طرف بڑھا ۔

وہاں اب خاصی بھیڑ تھی اور لوگ بڑے مضطرب معلوم ہوتے تھے ۔ خیمے سے چار آدمی نکل رہے تھے : ڈاکٹر لیپھم ، یانفرو ، یانفرو کا ساتھی اور پولیس افسر ۔ یانفرو اور اس کے ساتھی کے ہتھکڑیاں لگی ہوئی تھیں ۔

بچی کو ہاتھوں میں اٹھائے اٹھائے ہارمن لیپھم کی طرف بڑھا ۔ لیپھم فوراً چیخا : " میرے سامنے سے ہٹ جاؤ ، بیوقوف نوجوان ۔ ان آدمیوں کو حراست میں لے لیا گیا ہے ۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ وارنٹ بالکل باضابطہ ہے ۔"

" میرے ہاتھوں میں ایک بیمار بچی ہے " ہارمن نے کہا ۔

حیرت سے لیپھم کی آنکھیں چوڑی ہو گئیں ۔ " اچھا ۔ ہارمن ، تمہارا مطلب ہے کہ تم اسے بغرضِ علاج ان ڈھونگیوں کے پاس لائے ہو ؟ "

" میرا بالکل یہی مطلب ہے " ہارمن نے جواب دیا ۔ اس کی گھبراہٹ رخصت ہو چکی تھی ۔ اندر سے وہ اب لوہے کی طرح سخت اور برف کی طرح سرد تھا ۔ افسر نے بڑھ کر ہارمن کے ہاتھوں میں بچی کو دیکھا اور متحیر اور فکر مند ہو کر والدین کی طرف متوجہ ہوا : " سیم ، ڈونا کو کیا ہوا ؟ " اس نے پوچھا ۔

" کسی قسم کا زہر جسم میں پیدا ہو گیا ہے " باپ نے جواب دیا ۔

" حالت نازک ہے ؟ "

" ہاں - بہت نازک ۔"

اب لوگ ان کے گرد جمع ہوگئے تھے۔ لیپھم نے کہا : " یہ اچھا ہی ہؤا کہ میں یہاں موجود ہوں - ہارمن ، اگر تم اس بچی کو ، جو تمہارے زیرِ علاج ہے ، ان عطائیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتے تو میں تمہارے ڈاکٹری کے لائسنس کی منسوخی کی درخواست دینے پر مجبور ہو جاتا ۔"

ہارمن نے تڑپتی ہوئی بچی کو باپ کے ہاتھوں میں دیا اور مڑ کر لیپھم سے مخاطب ہؤا : " میرا ڈاکٹری لائسنس میرے دفتر کی دیوار پر لٹکا ہؤا ہے - اگر میں نے اس بچی کو اس کی جان بچانے کے لیے ہر ممکن کوشش کیے بغیر مر جانے دیا تو اپنا لائسنس میں خود ہی پھاڑ کر پھینک دوں گا ۔"

یہ گفتگو سننے والے مجمع میں ایک لہر سی دوڑ گئی - یانفرو کا چہرہ یکایک چمک اٹھا - " اس شخص کو رہا کر دو " ہارمن نے یانفرو کی طرف اشارہ کیا ۔

" لیکن — " پولیس افسر نے کہنا شروع کیا ۔

" اسے رہا کر دو ۔"

ہارمن کا اصرار سن کر لیپھم نے غرا کر کہا : " اب یہ اس وقت رہا ہوگا جب عدالت اسے رہا کرے گی ، یعنی کم از کم دس سال بعد - اور میں ضمانت کی رقم اتنی زیادہ رکھواؤں گا کہ تم ٹاپتے رہ جاؤ ۔"

" وقت بہت اہم ہے - بچی کی بیماری اس وقت بحران کے نقطے کو چھو رہی ہے - میں چاہتا ہوں کہ یانفرو اس کا علاج کرے

کیونکہ مجھے تسلیم ہے کہ میں مزید کچھ کرنے سے عاجز ہوں ۔"

" تمہارا دماغ چل گیا ہے ، میاں " لیپھم نے کہا : " چلو ، پرے ہٹو ۔"

لیکن ہارمن اپنی جگہ سے نہ ہٹا ۔ اس نے پولیس افسر سے کہا : " یہ ڈونا کاور ہے ۔"

پولیس افسر نے جواب دیا : " یہ تو میں بھی جانتا ہوں ۔ مجھے یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ ڈونا اتنی سخت بیمار ہے ۔"

" ڈونا آپ کی بھتیجی ہے ۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا ؟"

" جی ہاں ۔"

" اچھا ، اور اب آپ نے یہ بھی دیکھ لیا کہ وہ بیمار ہے ۔ ایک اور بات جو میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ —" یہ کہتے کہتے ہارمن افسر کے بالکل قریب پہنچ گیا ۔ پھر وہ اس طرح آگے جھکا جیسے افسر کے کان میں کچھ کہنا چاہتا ہو اور یکایک بڑی چابکدستی سے افسر کا پستول پیٹی سے کھینچ لیا ۔

" ان دونوں کی ہتھکڑیاں کھول دو " ہارمن نے پستول دکھا کر افسر کو دھمکایا ۔ اب کوئی چارہ نہ تھا ۔ ہتھکڑیاں کھول دی گئیں ۔

" ہارمن ، تمہارا دماغ تو بالکل ہی چل گیا ہے " لیپھم نے پیر پٹختے ہوئے کہا ۔ " خیر ، میں تم سے سمجھ لوں گا ، فکر مت کرو ۔" یہ کہہ کر وہ اکڑتا تنتا ہؤا وہاں سے چلا گیا ۔

ہارمن نے ڈونا کے باپ سے کہا : " بچی کو خیمے میں لے جاؤ ۔"

مجمع بھی ان کے ساتھ ہو لیا اور آخر خیمے کے دروازے پر

ھارمن کو رک کر کہنا پڑا : " اگر آپ لوگ صبر اور خاموشی سے کام لیں تو میں بہت احسان مند ہوں گا ۔"

بھیڑ میں سے جیسن کی پر چلایا : " ارے ڈاکٹر ، جلدی کرو ۔ ہم بھی تو کھڑے ہیں ۔"

خیمے کے اندر نقشہ کچھ بدلا بدلا تھا ۔ پچھلے دروازے سے ٹرک کا پچھلا حصہ اندر داخل کر دیا گیا تھا اور اس پر بیجوں کے ڈبے لدے ہوئے تھے ۔

" بچی کو اس کرسی پر بٹھا دیجیے " یانفرو نے باپ سے کہا ۔

" ڈاکٹر صاحب ، ہم ٹھیک بات کر رہے ہیں ؟ " باپ نے پوچھا ۔

" ہم جوا کھیل رہے ہیں ۔ بچی کی حالت ایسی ہے کہ میرے کیے سے کچھ نہیں ہو سکتا ۔ صرف یہی امید ہے کہ یہاں علاج کی کوئی صورت نکل سکتی ہے ۔ دیکھیے ، ہم جیتتے ہیں یا نہیں " ھارمن کی آواز بھرائی ہوئی تھی ۔

" میں اس جوئے میں آپ کے ساتھ ہوں " باپ نے کشیدہ آواز میں کہا ۔ " ایک بات پر تو میں اپنی تمام پونجی کی شرط لگا سکتا ہوں اور وہ یہ ڈاکٹر صاحب کہ آپ دل کے سچے ہیں ۔"

" شکریہ ۔"

" جب آدمی کا دل سچا ہو تو سب کچھ ممکن ہے " یانفرو نے آہستہ سے کہا ۔ اس کی موٹے شیشوں کی عینک کے پیچھے آنکھیں ناچتی ہوئی روشنیوں سے جگمگا رہی تھیں ۔

جب بچی کو کرسی پر لٹایا گیا تو ڈائلوں کی سوئیاں

دیوانہ وار حرکت کرنے لگیں ۔ ھارمن نے یانفرو کا رنگ اڑتا دیکھا ۔ یانفرو نے بچی پر چھچھلتی ہوئی نظر ڈالی ۔ اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا ۔ اس نے ھارمن کی طرف اس طرح دیکھا جیسے کہہ رہا ہو کہ اگر ہم اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے تو برا نہ منانا ۔ بعض باتیں ہمارے تمہارے اختیار سے باہر ہوتی ہیں ۔

" تمہیں اسے بچانا ہی پڑے گا " ھارمن نے کہا ۔ اس کی آواز بجائے خود ایک دعا تھی ۔

" میرے دوست ، ہم پوری کوشش کریں گے لیکن یہاں علاج سے زیادہ معجزے کی ضرورت ہے ۔ میں نے ان میٹروں پر اتنے اونچے ہندسے کبھی نہیں دیکھے " یانفرو نے جواب میں کہا ۔

" تو پھر معجزہ ہی دکھاؤ " ھارمن نے استدعا کی ۔

" ہم ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں گے ۔ پنستر ۔ "

یانفرو کا ساتھی فوراً اس کے پاس آ گیا ۔ ان دونوں نے مل کر جس انداز سے کام کیا اس طرح ھارمن نے کبھی کسی کو کام کرتے نہ دیکھا تھا ۔ یانفرو اور پنستر ایک دوسرے کا جوڑ تھے ۔ جو بات ایک سوچتا ، دوسرا از خود اس پر عمل کرنے لگتا ۔ وہ درحقیقت یک جان و دو قالب تھے ۔ ان کے کام سے یہ عیاں تھا ۔ مشین سوں سوں کر رہی تھی ۔ قمقمے چمک رہے تھے ۔ پنستر نے لپک کر مشین میں سے دھات کے دو ٹکڑے نکالے اور بچی کا گون پھاڑ کر انہیں ٹوٹے ہوئے بازو پر باندھ دیا کہ وہیں سے زہر جسم میں پھیلا تھا ۔ یانفرو نے میٹر پڑھے اور سوئچ بدلے ۔ دھات کے اگلے دو ٹکڑوں سے ایک بچی کے ساتھے اور

دوسرا گدی پر باندھا گیا ۔ وہ ہمیشہ دھات کے دو ٹکڑے استعمال کرتے تھے، جیسے مقناطیس کے دو قطب ہوتے ہیں ۔ شاید اس طرح جسم میں کوئی شفا بخش مقناطیسی مد و جزر پیدا ہو جاتا ہو گا ، ہارمن نے سوچا ۔

میٹروں کے ہندسے بدلے۔ یانفرو انہیں دیکھتا رہا ۔ پنستر کام کرتا رہا ۔ اور اس دوران میں وہ جلدی جلدی ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے ۔ ہارمن کو یہ محسوس تک نہ ہؤا کہ وہ کسی اجنبی زبان میں بات چیت کر رہے تھے ۔

خیمے میں ایک عورت کے دھیرے دھیرے رونے کی آواز تھی ، باپ کی منہ ہی منہ میں مانگی ہوئی دعا کی بڑبڑاہٹ تھی اور بچی کے کراہنے کا شور تھا ۔ مشین کی گنگناہٹ نے دونوں اجنبیوں کی آوازوں کو دبا دیا تھا ۔ باہر لوگ آپس میں لڑ جھگڑ رہے تھے ۔ ہارمن کی نظریں بچی کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں ۔ کبھی کبھی وہ یانفرو کی طرف دیکھ لیتا تھا ۔

معلوم ہوتا تھا کہ یانفرو کا سانس رک گیا ہے ۔ مشین کے ایک میٹر کی سوئی گھوم رہی تھی ، گھوم رہی تھی ، گھوم رہی تھی ۔ ہارمن کو پتا نہیں تھا کہ وہ سوئی صحیح طرف بڑھ رہی ہے یا غلط طرف ۔ ہارمن اس میٹر کے بارے میں خاک بھی نہ جانتا تھا ۔ یانفرو واقفِ راز تھا مگر دم سادھے بیٹھا تھا ۔ پنستر بھی دم سادھے ہوئے تھا ۔ اس کی آنکھیں میٹر پر جمی ہوئی تھیں ۔ خیمے میں خاموشی تھی ۔

مشین پھر گنگنائی ۔ دھات کے دو اور ٹکڑے برآمد ہوئے ۔ پنستر نے انہیں بچی کے سینے پر دائیں بائیں باندھ دیا ، جیسے

وہ اس ننھے منے سے دل کو تقویت پہنچانا چاہتا ہو جو اپنی بساط سے زیادہ کام کر کے تھک چلا تھا ۔

ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی ۔

میٹر کی سوئی ہلی اور الٹی چلنے لگی ۔

پھر ایک آواز آئی ۔ ایک ننھی سی آواز نے کہا : " امی ؟"

اس لفظ کو اداسی سے ادا کیا گیا تھا ، جیسے چڑیا کا بچہ گھونسلے میں بیٹھا بیٹھا اپنی باریک ، بھولی بھالی آواز میں ماں کو بلاتا ہے ۔

ماں بچی کو گود میں اٹھانے کے لیے بڑھی ۔ یانفرو نے ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا ۔ وہ ٹھیر گئی ۔

" امی ؟ امی ؟ " آواز میں اب زیادہ جان تھی ۔

" ٹھیک ہے " یانفرو نے کہا اور ماں نے بچی کو اٹھا لیا ۔

" ہاں ، میری پیاری ۔ ہاں ، بلو ۔"

" امی ، میں کہاں ہوں ؟ ابا کہاں ہیں ؟ میرا پلا کہاں ہے جی ؟ "

" ابا بھی یہیں ہیں ، جانی ۔ پلا گھر پر ہے ۔"

" امی ، یہ عجیب سے آدمی کون ہیں ؟ ہنسی آتی ہے انہیں دیکھ کر ۔"

" یہ دوست ہیں ہمارے ۔"

" یہ بڑے اچھے آدمی ہیں ، امی " اس کی آواز میں خوشی اور سکھ گھلے ملے ہوئے تھے ۔

" امی ، مجھے بھوک لگی ہے ۔"

" ہاں ، بیٹی ، امی کو پتا ہے ۔ تمہیں ابھی کوئی چیز

کھانے کو دیں گے ۔"

ہارمن نے ماتھے کا پسینہ پونچھا اور دوبارہ سانس لینی شروع کی ۔ یانفرو بھی کھڑا ہؤا خوشی سے اپنا سر ہلا رہا تھا کہ آخر کار انھوں نے ناممکن کو ممکن بنا دیا ۔

" امی ، مجھے بھوک لگ رہی ہے " بچی نے دھرایا ۔ ماں نے ہارمن کی طرف دیکھا ۔ ہارمن نے آہستہ سے کہا : " اب اسے گھر لے جاؤ اور کھانا کھلاؤ ۔ اور اس کے پلے کو نہ بھول جانا ۔ وہ بے چارہ بھی دیر سے بھوکا ہو گا ۔"

یانفرو نے دوبارہ خوشی سے سر ہلایا جیسے وہ کہہ رہا ہو کہ ہاں ، اس بچی کی خوشی اسی وقت مکمل ہو گی جب اس کے ننھے منے ساتھی کی پریشانی اور بھوک پیاس بھی دور ہو جائے گی ۔

بچی کے ماں باپ اسے گود میں اٹھا کر خیمے سے نکل گئے ۔

ہارمن نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور یانفرو کی طرف دیکھ کر بولا : " میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں ۔"

" آپ کا زکام کیسا ہے ، جناب ؟ "

" زکام تو ختم ہو گیا ۔ بالکل ختم ہو گیا ۔" ایک لمحے کے لیے ہارمن ، دل ہی دل میں ، اپنے پرانے زکام کے خاتمے پر حیران ہؤا ۔ پھر وہ بولا : " میں معلوم یہ کرنا چاہتا ہوں کہ — ہیں ، یہ کیا ؟ "

پنستر نے خیمے کے دروازے پر کھڑے کھڑے زور سے کہا تھا : " سے فلوتون تھروم ۔"

" میں سمجھا نہیں " ہارمن نے حیران ہو کر کہا ۔

دونوں آدمی مشین کی طرف بڑھے جیسے انھیں ہارمن کی بات کا یا خود ہارمن کا کچھ پتا ہی نہ ہو ۔ انھوں نے مشین کو کنڈوں سے پکڑ کر ٹرک میں لاد دیا ۔ پھر انھوں نے میز اور کرسی بھی ٹرک میں رکھ دی ۔ ہارمن ہکا بکا ہو کر انھیں دیکھتا رہ گیا ۔ چیزوں کو قرینے سے جما کر یانفرو ٹرک سے نیچے اترا اور ہارمن کی طرف بڑھا ۔

ہارمن اس سے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازے کی جانب سے ایک کرخت اور بھاری اور بھدی آواز آئی : " ہمارا بھی تو کچھ علاج کرو جی ۔" جیسن کپر ، وہی لوفر ، جس کی کام کے نام سے جان جاتی تھی ، دروازے میں پستول تانے کھڑا تھا ۔

ہارمن نے جلدی سے اِدھر اُدھر اس پستول کی تلاش میں نظر دوڑائی جو اس نے پولیس افسر سے چھینا تھا ۔ پھر اسے یاد آیا کہ وہ تو اس نے افسر کو لوٹا دیا تھا ۔

" تمھیں میرے لیے بھی کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا " کپر گلا پھاڑ کر چیخا ۔ وہ بڑا تنومند انسان تھا ۔ اس میں عیب یہ تھا کہ کام کاج کچھ نہ کرتا تھا اور بے کاری بذاتِ خود ایک بیماری ہے ۔

ہارمن نے اسے سمجھانے کی کوشش کی : " تم اپنا علاج آپ کر سکتے ہو ۔ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اس معاملے میں دوسروں کے محتاج ہیں ۔ ان کا حق پہلے ہے ۔"

" اجی کیا تم نے بحث کرنی شروع کر دی ، ڈاکٹر " کپر کو تاؤ آ گیا ۔ " زیادہ منہ نہ پھاڑا کرو ۔ اگر یہ لوگ بڑھیا

ویشم کا علاج کر سکتے ہیں اور اس بچی کو ٹھیک کر سکتے ہیں جس کے بارے میں سب کہہ رہے تھے کہ بچنے کی نہیں تو پھر مجھے کوئی نخسہ کیوں نہیں بتا سکتے ۔ ہاں ، بھلا ۔"

" جیسا کہ ڈاکٹر ہارمن نے کہا ہے ، تم اپنا علاج آپ کر سکتے ہو ۔ اگر تم آج سے محنت کرنے لگو تو ۔"

کپر محنت کا نام سن کر چڑ گیا اور کہنے لگا : " محنت ؟ ارے محنت کہاں سے بیچ میں آ گئی ۔ محنت کریں وہ جن کی مت ماری گئی ہے ۔ مجھے تو کوئی ایسا طریقہ بتا دو کہ چٹکی بجاتے میں پیسے والا بن جاؤں ۔ آئیں بائیں شائیں مت کرو ۔ مطلب کی بات سناؤ ۔"

اب پستول کا رخ یانفرو کے سینے کی طرف تھا ۔ یکایک " ٹھوں" کی آواز آئی ۔ ہارمن نے مڑ کر دیکھا تو پنستر ، جو ٹرک میں کھڑا تھا ، جلدی سے کوئی چیز اپنی جیب میں رکھ رہا تھا ۔

ادھر کپر کے ہاتھ سے پستول چھوٹ گیا ، اس کے دانت اینٹھ گئے ، اس کی آنکھیں اوپر کو چڑھ گئیں ۔ پھر وہ نڈھال سا ہو کر زمین پر لیٹ گیا ، جیسے اس کی ٹانگوں میں دم نہ رہا ہو ۔ لیکن اس سے بیٹھا بھی نہ گیا ، وہ لمبا لمبا لیٹ گیا ۔

" بعض لوگ ہمارے علم اور ہنر مندی سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں اس لیے ہمیں اپنی حفاظت کرنی پڑتی ہے " یانفرو نے اس طرح کہا جیسے وہ شرمندہ ہو ۔

" لیکن ۔" ہارمن نے کہنا شروع کیا ۔

اس کی بات کاٹ کر یانفرو نے یقین دلایا : " فکر مت کرو ،

یہ آدمی دو تین گھنٹے بعد بالکل ٹھیک ہو جائے گا ۔"

" یہ آدمی اگر پڑے پڑے سڑ گل جائے تو بھی مجھے پروا نہ ہو" ہارمن نے ناک بھوں چڑھا کر کہا ۔ " مجھے تم لوگوں سے دلچسپی ہے اور فادر مارک کی طلسمی دوا سے ۔"

" جس آدمی سے ہم نے یہ ٹرک اور خیمہ خریدا تھا وہ اسی نام سے ایک دوا بیچا کرتا تھا ۔ ہمیں یہ نام پسند آ گیا ۔ ہم نے اسے بدلنے کی کوشش نہیں کی ۔ اگر تم ہمارے بارے میں اور کچھ جاننا چاہتے ہو تو ٹرک پر سوار ہو جاؤ " یانفرو نے ٹرک پر چڑھتے ہوئے کہا ۔

" کیوں ؟ " ہارمن نے سوال کیا ۔

" اس لیے کہ باہر بے شمار لوگ جمع ہو گئے ہیں اور وہ اس خیمے پر دھاوا بولنے ہی والے ہیں ۔ اندر آ کر وہ ہم سے طرح طرح کی مہمل چیزوں کا تقاضا کریں گے ۔ کوئی کہے گا مجھے تسخیرِ حُب کا نسخہ بتا دو ، کوئی آدمی اپنی کٹی ہوئی ٹانگ از سرِ نو صحیح و سالم دیکھنا چاہے گا ، کوئی کہے گا مجھے امیر ہونے کی ترکیب بتاؤ ۔ ان کی فضول باتوں سے ہماری جان پر بن جائے گی ۔"

ہارمن آچک کر ٹرک پر چڑھ گیا ۔ اور واقعی ادھر پنسٹر نے پچھلے دروازے سے ٹرک نکالا اور ادھر دوسرے دروازے سے ایک مشتعل ہجوم خیمے میں در آیا ۔

" دیکھا ؟ " یانفرو نے نرمی سے پوچھا ۔

" دیکھ لیا " ہارمن نے افسردہ ہو کر جواب دیا ۔

ٹرک تیزی سے چلتا رہا ، ان کے اِرد گرد بیجوں کے رنگ برنگے ڈبے آچھلتے رہے اور وہ اور یانفرو کھڑے باتیں کرتے رہے ۔ پنسٹر ٹرک چلا رہا تھا ۔ یانفرو نے رستے میں اسے اپنا طریق کار سمجھانے کی کوشش کی : " اصل بات یہ ہے کہ انسانی جسم کی ماہیت کو سمجھا جائے ۔ ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ انسانی جسم گوشت پوست ، رگ پٹھوں ، ہڈیوں ، خون اور پلازما پر مشتمل ہے ۔"

" یہ مجھے پتا ہے " ہارمن نے کہا ۔

" ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ انسانی جسم کے یہ مختلف حصے مل کر ایک کل بناتے ہیں اور وہ کل باقی اجزا کے فنکشن کا تعین کرتا ہے ۔"

" ٹھیرو " ہارمن نے ہاتھ ہلایا ۔ " یہ بات تو ہم نے کبھی نہیں پڑھی ۔"

" یہ بالکل ممکن ہے کہ بہت سی باتیں جو تم نے پڑھی ہیں حقیقت پر مبنی نہ ہوں ۔ ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ انسانی جسم ایک برقی نظام ہے جس کے ہر خلیے میں بہت نازک مگر بے حد اہم برقی روئیں پیدا ہوتی رہتی ہیں اور یہ سب روئیں مل کر تمام جسم میں جاری و ساری رہتی ہیں اور ان کی وحدت کل کو جنم دیتی ہے ۔"

" میں —" ہارمن نے کہنا شروع کیا ۔

" ہمارے اس نقطۂ نظر کو سمجھنا آسان نہیں ہے ، میرے دوست " یانفرو نے نرمی سے کہا ۔

" میں سمجھنے کی کوشش کروں گا " ہارمن نے جواب دیا ۔

" بہت اچھا ۔ میں سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں " یانفرو نے یہ کہہ کر اپنے نظریے کی تشریح کا آغاز کیا ۔ کچھ باتیں ہارمن کی سمجھ میں آئیں ، کچھ نہیں آئیں ۔ وہ بہرحال بڑے غور سے سنتا رہا ، یہاں تک کہ — ایک جگہ پہنچ کر ٹرک رک گیا ۔

پنسٹر انہیں ویرانے میں لے آیا تھا جہاں چاروں طرف پہاڑیاں تھیں اور گھنا جنگل تھا ۔ اس نے ٹرک کو درختوں کے ایک گنجان جھنڈ کے قریب روکا تھا ۔ اس جھنڈ میں ایک ایسی چیز چھپی ہوئی تھی جسے دیکھ کر ہارمن کے ہوش اڑ گئے ۔

اس نے سرگوشی کی : " تم لوگ —"

" ہاں " یانفرو نے کہا اور اپنی عینک اتار دی ۔ جو چھپا ہؤا تھا وہ عیاں ہو گیا ۔ اس کے چہرے پر جو آنکھیں تھیں وہ انسانی نہیں تھیں ۔

کچھ دیر تک وہ تینوں بہت مصروف رہے ۔ وہ بیجوں کے ڈبے اٹھا اٹھا کر لے جا رہے تھے ۔ جب ٹرک خالی ہو گیا تو ہارمن نے احتجاج کیا : " لیکن تم لوگوں کو جانے کی کیا ضرورت ہے ۔ لوگ تمہیں سر آنکھوں پر بٹھائیں گے ۔"

یانفرو نے جواب دیا : " تم جیسے لوگ ہمیں خوش آمدید کہیں گے ۔ یہ ہمیں بھی پتا ہے لیکن ڈاکٹر لیپھم —"

" اسے میں جان سے مار دوں گا " ہارمن چیخا ۔

یانفرو نے سر ہلایا : " اسے جان سے مارنے سے فائدہ ؟ اس جیسے لاکھوں اور ہیں ۔ اس کی جگہ کوئی اور ڈاکٹر لیپھم لے لے گا ۔ پھر کپر جیسے بدمعاش ہیں اور عیاش اور مجرم ہیں ۔ تم انسان آخر بالغ کیوں نہیں ہو جاتے ؟ ہماری سمجھ میں نہیں آتا

کہ نسلِ انسانی سنِ بلوغت تک پہنچنے میں کیوں ناکام ہے ۔ جب تم لوگ بڑے ہو جاؤ گے تو کتنی ہی چیزوں کو اپنا منتظر پاؤ گے ۔" اس نے اپنی غیر انسانی آنکھیں اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا جیسے اس کی عمیق گہرائیوں میں کہیں کوئی ایسی دنیا ہے جس سے وہ آشنا ہے ۔

" میرا قیاس کہتا ہے کہ وقت آنے پر ہم بالغ ہو جائیں گے ۔ لیکن ہماری ترقی کی رفتار سست ہے ۔"

" اداس نہ ہو ، میرے دوست " یانفرو نے کہا ۔

" لیکن یہ بیجوں کا چکر سمجھ میں نہیں آیا ۔ تم ان کو ویسے ہی لے جا سکتے تھے " ہارمن نے کہا ۔

" انصاف کا جو شعور ہمارے اندر کار فرما ہے ایسی حرکت سے اسے صدمہ پہنچتا ۔ ہم کسی سے کوئی چیز نہیں لیتے تاوقتیکہ اس کے بدلے کچھ دے نہ دیں ۔ ہمارے قوانین کی رو سے ہم پر لازم تھا کہ بیجوں کے بدلے میں کوئی چیز دیں ۔ ہم نے لوگوں کو شفا دی ۔"

" مگر ان بیجوں کا کیا کرو گے ؟ "

یانفرو مسکرایا ۔ " میری دنیا کے میدان کہیں کہیں سے بنجر ہو گئے ہیں ۔ ہمارے دیسی پودوں میں جان نہیں رہی ۔ ہمیں کسی دوسرے سیارے سے نئے بیجوں ، نئی نباتاتی زندگی کی ضرورت ہے ۔ ہم یہاں سے اتنے سارے بیج لے جا رہے ہیں ، ان میں سے کوئی تو وہاں کی آب و ہوا کو سازگار پائے گا ۔ پھر جب تم ہمارے پاس آؤ گے تو شاید دیکھو گے کہ ایک اجنبی دھرتی پر ناشپاتی کے پیڑ پھولوں سے لدے کھڑے ہیں ۔ ہم تمہارا

بلکہ سب انسانوں کا انتظار کریں گے ۔ وقت آنے پر تم ہمارے پاس ضرور آؤ گے ۔"

" کیا ہم آئیں گے ؟ " ہارمن نے پوچھا ۔ یالفرو کے چہرے پر جو نور تھا اس سے اب ہارمن کو اپنا دل منور ہوتا محسوس ہو رہا تھا ۔

" تم آؤ گے ۔ تم آؤ گے " یالفرو نے جواب دیا ۔ " یہ تو ستاروں میں لکھا ہے ۔ اور اس اثنا میں ، میرے عزیز دوست ، جب میں یا ہم میں سے کوئی اس دنیا میں آئے گا تو تم سے ضرور ملے گا ۔"

چند منٹ بعد درختوں کے جھنڈ سے کوئی چیز سائیں سائیں کرتی ہوئی اڑی اور آسمان میں غائب ہو گئی ۔ ہارمن نے ٹرک میں بیٹھ کر گھر کی راہ لی ۔

مطب میں پہنچ کر اس نے ڈاکٹر لیپھم کو دو اور ڈاکٹروں کے ہمراہ اپنا منتظر پایا ۔ اسے دیکھ کر وہ کھڑے ہو گئے اور لیپھم نے کہنا شروع کیا : " ہارمن ، میں تم پر بے ضابطگی اور مجرمانہ غفلت کے الزامات عاید کرتا ہوں ۔ تم نے ایسی دواؤں اور علاج کے طریقوں سے کام لیا جو مشکوک تھے ، جنھیں آزمایا نہ گیا تھا ۔ تم عطائیوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے رہے ۔ تم نے ایک بیمار بچی ڈونا کلور کی جان خطرے میں ڈالی ۔ میں تمہارا لائسنس منسوخ کرنے کے لیے قدم اٹھانے والا ہوں ۔"

" صرف ایک منٹ " ہارمن نے کہا اور فون اٹھا کر ایک نمبر ملایا ۔ اسے مسز کلور کی مسرور آواز سنائی دی : " وہ تو

بالکل ٹھیک ہے ، ڈاکٹر صاحب ۔ وہ کھانا بھی کھا رہی ہے ۔ اسے ذرا بھی بخار نہیں ۔ وہ ...“

مسز کلور کی آواز کے علاوہ ہارمن کو فون پر کچھ اور آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں ۔ ڈونا کے ہنس ہنس کر بولنے کی آواز ، ایک چھوٹے سے بلے کی خوش ہو کر بھونکنے کی آواز ! اس نے آہستہ سے فون چونگے پر واپس رکھ دیا اور اپنے ملاقاتیوں کی طرف مڑا ۔

اپنی پوری طاقت سے اس نے ڈاکٹر لیپھم کے منہ پر ایک لہو لہان کر دینے والا ، ناک توڑنے والا ، گھونسا مارا ۔ اس گھونسے کی جھنجھناہٹ کو ہارمن نے سارے بدن میں محسوس کیا اور وہ اسے بڑی اچھی لگی ۔ پھر وہ باقی دو ڈاکٹروں سے مخاطب ہوا : ”صاحبو ، میں آپ کے الزامات کا جواب دینے کے لیے حاضر ہوں ۔“

ان میں سے ایک ڈاکٹر نے اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا : ”کیا کہنا ، ہارمن ۔ یہ گھونسا مار کر تم نے مجھ پر احسان کیا ۔ اگر تم نہ مارتے تو یہ کام مجھے انجام دینا پڑتا ۔“

ہارمن نے اس سے اور پھر دوسرے ڈاکٹر سے ہاتھ ملایا ۔ اس کی نظریں دیوار پر لٹکے ہوئے لائسنس پر جم گئیں ۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے لائسنس دھندلا کر غائب ہو گیا ہے اور اس کی جگہ شیشے میں گلابی پھولوں سے لدے ہوئے پیڑ کھڑے ہیں ، جیسے وہ کسی کھڑکی میں سے جھانک کر کسی دوسرے سیارے کی زمین پر ، جو کبھی بنجر تھی ، اس دنیا کے درختوں کو پھولتے پھلتے دیکھ رہا ہے ۔

پھر یہ منظر مٹ گیا اور لائسنس فریم میں لوٹ آیا ۔

جب تینوں ڈاکٹر چلے گئے تو ہارمن مطب بند کر کے پچھلے کمرے میں جا لیٹا ۔ اس کا دل ایسی عجیب خوشی اور ولولے سے لبریز تھا جو اس نے پہلے کبھی محسوس نہ کیا تھا ۔ وقت آنے پر رات کے اندھیرے میں عجیب و غریب ملاقاتی اس کے پچھلے دروازے پر دستک دیں گے ، اور مشورہ کرنے کے بعد منہ اندھیرے چپ چپاتے چلے جائیں گے ۔ وقت آنے پر ، کسی اور دنیا میں ناشپاتی کے درخت پھولوں سے لدے نظر آئیں گے ۔ وقت آنے پر یہاں دنیا میں صحت کا دور دورہ ہو گا ۔ وقت آنے پر.....